www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com
عجیب ہیں یہ سلسلے
نورالھدیٰ

عجیب ہیں یہ سلسلے

نورالھدیٰ

عجیب ہیں یہ سلسلے

کوئی تو ہوتا

میں جس کے دل کی کتاب بنتا

میں جس کی چاہت کا خواب بنتا

میں ہجر کے موسم کی لمبی راتوں میں

یاد بن کر عذاب بنتا

کوئی تو ہوتا

جو میری خواہش میں

اٹھ کے راتوں کو خوب روتا

دکھوں کی چادر لپیٹ کر

ہجوم دنیا سے دور ہوتا

میں روٹھ جاتا مناتا مجھ کو

کہ چاہے میرا قصور ہوتا

کوئی تو ہوتا

میں جس کے اتنا قریب ہوتا

نہ پاس کوئی رقیب ہوتا

میں تنہا اس کا حبیب ہوتا

یہ سلسلہ بھی عجیب ہوتا

"کل ویک اینڈ ہے۔ وہ گھر پر ہوگا۔ تم صبح آجانا۔" آمنہ بیگم نے گھڑی کی سوئیاں دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی سے کہا۔

"لیکن وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں؟" سائرہ بے چینی سے بولیں۔ "ساڑھے گیارہ بجے تک کون سا آفس کھلا ہوتا ہے؟"

آفس تو ساڑھے گیارہ بجے تک نہیں کھلا رہتا۔ اور نہ جانے وہ آفس جاتا بھی ہے یا نہیں، اور تھوڑے کام ہیں اس کے کرنے کو۔" آمنہ بیگم نے تھک کر صوفے کی پشت سے کمر ٹکائی۔

"اب نہ جانے کہاں سے آوارہ گردی کرتا ہوا آئے گا اور آ کر کون سا اس نے آرام و تحمل سے بات سن لینی ہے۔ تم جاؤ، صبح آجانا۔" انہوں نے ایک بار پھر سائرہ سے کہا۔ وہ مایوسی سے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سائرہ کے جانے کے بعد انہوں نے دروازہ بند کیا اور دوبارہ لاؤنج میں آبیٹھیں، تھکن اور نیند کی وجہ سے ان کی طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ لیکن احمد کے آنے تک وہ سو بھی نہ سکتی تھیں۔ بستر پر جیسے کانٹے اگ آتے اور اسی بے چینی میں انہیں نیند نہ آتی۔ وہ تسبیح کے دانوں پر مختلف آیات کا ورد کر رہی تھیں۔ سوا ایک بجے انہیں دروازے پر اسکوٹر کی آواز سنائی دی۔ وہ تسبیح ٹیبل پر رکھ کر بیرونی دروازے کی طرف چلی آئیں۔ تب تک

دروازہ کھول کر احمد بائیک اندر لا رہا تھا، وہ خاموشی سے ایک طرف ہو گئیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی احمد کے جامد تاثرات میں برہمی سمٹ آئی۔ وہ بائیک کھڑی کر کے، بغیر انہیں مخاطب کیے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ وہ اس کے پیچھے چلی آئیں۔ جوڑوں کے درد کی وجہ سے سیڑھیاں چڑھنا، اترنا ان کے لیے مشکل تھا، لیکن یہ روز کی مشقت تھی۔

"کھانا لاؤں؟" انہوں نے بیڈروم کا لاک کھولتے ہوئے احمد سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"

"دودھ کا گلاس لے لو۔"

"میں نے کہا نا نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے، آپ جا کر آرام کریں اور یوں میرا انتظار مت کیا کریں۔ زہر لگتے ہیں مجھے یہ سب ڈرامے۔"

زہریلے لہجے میں کہتے ہوئے وہ زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے میں غائب ہو گیا۔ آمنہ بیگم کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑی رہیں پھر شکستہ قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

ابھی وہ غنودگی میں تھیں، جب انہیں کچن سے برتنوں کی کھڑ پڑ کی آوازیں آنے لگیں۔ یقیناً احمد اپنے لیے کھانا گرم کر رہا تھا۔

"رات کا کھانا دو بجے۔" انہوں نے آنکھوں میں آئی نمی کو جذب کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگیں۔ اگر وہ کچن میں جاتیں تو وہ کھانا چھوڑ کر چلا جاتا۔

"احمد نہا کر کپڑے بدل لو۔" دن کو گیارہ بجے جب وہ کمرے سے نکلا تو سائرہ نے بڑے رسان سے اسے مخاطب کیا۔ وہ ان ہی کپڑوں میں ملبوس تھا، جو اس نے کل صبح آفس جانے کے لیے پہنے تھے۔ سارا دن بائیک پر خوار ہونے کی وجہ سے کپڑوں کا حشر ہو چکا تھا۔ رات کو اس نے یہ کپڑے بدلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اور اب ایسے ہی آ کر میٹنگ روم میں صوفے پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے سائرہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"ناشتے میں کیا لو گے؟" سائرہ کہتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

"جو بھی ہے لے آئیں اور ایک کپ اچھی سی چائے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے چہرے پر بازو رکھ لیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یقیناً وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔ آمنہ بیگم اور سائرہ میں نگاہوں کا تبادلہ ہوا اور پھر سائرہ نے بات کرنے کے لیے تمہید باندھی۔

"تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"کم ٹو دا پوائنٹ باجی!" وہ جھلا کر بولا۔

"احمد!" سائرہ کے لہجے میں سرزنش تھی۔

"وہ بات کریں جس کے لیے آئی ہیں۔" وہ اسی بے مروتی سے بولا۔

"احمد! ہم لوگ چاہ رہے تھے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔"

"اچھا پھر۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

"پھر یہ کہ خالہ جان سے سمن کے سلسلے میں بات ہوئی تھی۔" احمد کے تاثرات یکدم برفیلے ہو گئے۔

"خالہ کو بہت شوق ہے سمن کو بیوہ دیکھنے کا۔"

"احمد بکواس بند کرو۔" سائرہ نے اسے بری طرح ڈانٹا۔ یہ صرف سائرہ ہی تھیں جو اسے تھوڑی بہت روک ٹوک کر دیا کرتی تھیں۔ ورنہ وہ بالکل ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں، تم کیوں نہیں شادی کر سکتے۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟" سائرہ نے ساری نرمی کو بالائے طاق رکھا۔

"آپ نہیں جانتیں؟" وہ سرد انداز میں بولا۔

"نہیں۔۔۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ ہم چند دنوں میں تمہاری سمن سے شادی کر رہے ہیں۔ تمہاری اتنے عرصے کی منگنی ہے، کوئی مذاق نہیں اور خالو جان خالہ پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔" انہوں نے دانستہ بتایا کہ خالو جان شادی نہ کرنے کی صورت میں منگنی توڑنے کی بات کر رہے ہیں۔

"ظاہر ہے، سمن تعلیم مکمل کر چکی ہے۔ اب وہ لوگ کب تک انتظار کریں؟" احمد کی نگاہوں میں سمن کا گلابی سراپا در آیا۔ اس نے اس کا خیال ذہن سے جھٹکا۔ اس کی آنکھوں میں مرچیں چبھنے لگیں۔

"آپ خواہ مخواہ ایک لڑکی کی زندگی اجیرن کرنا چاہ رہی ہیں۔ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔"

"احمد! سمن تمہاری اخلاقی ذمہ داری ہے، وہ تمہاری منگیتر ہے۔ وہ لوگ اب مزید انتظار نہیں کریں گے۔ اس لیے تم یہ ٹال مٹول چھوڑو اور شادی کی تیاری پکڑو۔" اب کہ آمنہ بیگم نے دو ٹوک انداز میں بات ختم کی۔ وہ چند لمحے پلکیں جھپکائے بنا ان کی طرف دیکھتا رہا۔

"میں ابھی صرف نکاح کر سکتا ہوں۔ اگر وہ لوگ مان جائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ میری طرف سے یہ منگنی ختم سمجھیں۔ رہی تیاری کی بات تو میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں، شادی کا شوق آپ کو ہو رہا ہے، تیاری بھی

آپ ہی کریں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"امی! شکر کریں وہ نکاح کے لیے مان گیا ورنہ مجھے تو اس کی بھی امید نہیں تھی۔" کچھ دیر بعد سائرہ نے گہری سانس بھری۔

"نکاح کے بعد یہ ہرگز اپنی روش نہیں بدلے گا۔

میں چاہتی تھی، شادی ہو جائے۔ شاید اس کا دل گھر میں لگنے لگے۔ یہ اس بے ثمر جدوجہد کی جان چھوڑ دے۔" آمنہ بیگم بہت آزردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"اصل بات تو نکاح کی ہے۔ ہم باقاعدہ بارات لے کر جائیں گے۔ باقی بات مجھ پر چھوڑ دیں۔" سائرہ پُرسوچ انداز میں مسکرائیں۔

وہ حسب معمول رات گئے گھر میں داخل ہوا تھا لیکن جو بات خلاف معمول تھی، وہ یہ کہ آمنہ بیگم اس کے انتظار میں لاؤنج میں موجود نہ تھیں۔ پچھلے چند روز سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

"شاید آج زیادہ ہی خراب ہو۔" اسے تشویش ہوئی۔ دل چاہا ان کے کمرے میں جا کر انہیں دیکھ آئے لیکن مدت ہوئی، اس نے دل کی بات ماننا چھوڑ دی تھی۔ تب ہی تو دلہن بنی ہوش اڑاتی سمن کو ساتھ لیے بغیر واپس

آ گیا تھا۔

اب بھی دل کی بات کو نظر انداز کیے وہ سیدھا کمرے میں جا گھسا۔ صبح آفس کے لیے تیار ہو کر وہ باہر آیا تو کچن میں ناشتہ بناتی ہستی کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ کتنی ہی دیر یک ٹک اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ یک دم پلٹا اور ناشتہ کیے بغیر آفس کے لیے نکل گیا۔ سمن اپنی پشت پر اس کی موجودگی سے باخبر تھی۔ اس کے جانے کے بعد ایک گہری سانس بھرتی ہوئی پلٹی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ اگرچہ وہ ذہنی طور پر اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی، پھر بھی اس کی موجودگی میں اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ آمنہ خالہ کی طبیعت کہ خرابی کی بنا پر صمد بھائی (احمد کے بڑے بھائی) کل ہی اسے ساتھ لائے تھے۔ یہ مشورہ سائرہ باجی کا تھا۔ باضابطہ کاروائی یعنی نکاح اور بارات وغیرہ تو ہو چکا تھا۔ اب سمن کے اس گھر میں آنے میں کوئی حرج نہ تھا، اسی لیے صمد بھائی اسے جا کر لے آئے تھے۔ نکاح کو تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہو چکا تھا۔

سمن کی یہاں آمد سائرہ باجی کی پلاننگ کا حصہ تھی اور سمن اس سے بے خبر۔ وہ محض خالہ کی محبت میں یہاں آئی تھی۔ آمنہ خالہ کا ناشتہ ٹرے میں لگا کر وہ ان کے کمرے میں چلی آئی۔ صمد بھائی کے بچے اسکول جا چکے تھے۔ اس نے خالہ کو ناشتہ کروایا اور ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی کروانے لگی۔ آمنہ خالہ اور احمد کے بیڈروم اوپر والے فلور پر تھے جبکہ نیچے صمد بھائی اور ان کے بچوں سحاب اور عمارہ کے بیڈروم تھے۔ عمرا بھی چھوٹا ہونے کی وجہ سے عائشہ بھابھی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کچن سیکنڈ فلور پر ہونے کی وجہ سے زیادہ پھیلاوا اوپر ہوتا تھا۔

سمن نے صفائی ختم ہونے کے بعد اوپر صحن میں ملازمہ کو واشنگ مشین لگانے کو کہا اور خود آمنہ خالہ کے ساتھ

دھوپ میں آبیٹھی۔ جنوری کی نرم اور خوشگوار دھوپ بہت فرحت بخش اور سکون آور احساس پیدا کر رہی تھی۔ سمن نے خالہ کے سر میں تیل لگایا اور نرم انگلیوں سے مساج کرنے لگی۔ مساج کی وجہ سے سر کا بھاری پن دور ہوا تو انہیں نیند آنے لگی۔ انہوں نے وہیں چارپائی پر کروٹ بدل لی۔ وہ تیل کی بوتل اٹھا کر ہاتھ دھونے چلی گئی۔

ملازمہ کے دھوئے ہوئے کپڑے وہ ڈرائیر میں ڈال رہی تھی۔ جب عائشہ بھابھی فروٹ باسکٹ اٹھائے چلی آئیں۔

"زبیدہ! عمر کے پاپا کے کپڑے میں نے سیڑھیوں کی ریلنگ پر رکھے ہیں۔ آتے ہوئے مجھے یاد نہیں رہے، وہ بھی لے آؤ۔" بھابھی نے کینو چھیلتے ہوئے زبیدہ سے کہا۔

"آؤ سمن! ادھر بیٹھو۔ زبیدہ خود ہی کر لے گی۔" انہوں نے سلائس میں کٹا کینو نمک اور کالی مرچ ڈال کر سمن کی طرف بڑھایا۔

"امی ٹھیک تو ہیں؟ دن کے وقت سو رہی ہیں۔" انہوں نے سوئی ہوئی ساس کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں بھابھی! ٹھیک ہیں۔ بالوں میں تیل لگایا تھا، اسی لیے سو گئیں۔ آپ کو پتہ ہے مساج کرواتے ہوئے کتنی میٹھی نیند آتی ہے۔" وہ پلیٹ میں سے کینو کے سلائس اٹھا کر کھانے لگی۔

"احمد صبح ناشتہ کر کے گیا تھا؟" بھابھی نے ممکنہ خدشے کے پیش نظر پوچھا۔

"نہیں۔" سمن نے بے ساختہ مسکراہٹ دبائی۔

"میں اسی وجہ سے صبح اوپر نہیں آئی تھی۔ میری تو خواہ مخواہ شامت آجاتی۔" بھابھی ہلکی سی مسکراہٹ کے

ساتھ بولیں۔

"اب یہ بہانہ کب تک چلائیں گی، میں تو یہیں رہوں گی۔" سمن نے پُر عزم انداز میں کہا۔

"ان شاءاللہ۔" بھابھی نے دعائیہ انداز میں ہاتھ منہ پر پھیرے۔ سمن دھیرے سے ہنستی ہوئی ڈرائیر سے کپڑے نکالنے چلی گئی۔

آفس میں انتہائی بے دلی کے ساتھ دن گزارنے کے بعد اس نے ایک دو ضروری اپائنٹ منٹس کینسل کیں اور فائلز سمیٹ کر آفس سے نکل گیا۔ سارا دن اس کے دماغ میں سمن کی اپنے گھر میں موجودگی کا خیال پنجے جمائے رہا تھا۔ اگرچہ بارات باقاعدہ گئی تھی پھر سمن کی اس کے گھر میں بے دھڑک موجودگی اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں آئی تھی؟ کس لیے لائی گئی تھی۔ اس کشمکش نے اسے الجھا رکھا تھا۔ آفس سے نکل کر کافی دیر وہ بلا مقصد سڑکوں پر بائیک دوڑاتا پھرا تھا پھر اس نے دو تین انتہائی طویل فون کالز کیں اور سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

"ہو سکتا ہے وہ امی سے ملنے آئی ہو اور اب جا چکی ہو۔" یہ آخری خیال اس کافی مناسب لگا، اسے اندرونی کشمکش کم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میں نے امی کے کمرے میں جانے کی زحمت نہ کی۔ یقیناً سعدیہ خالہ ساتھ ہوں گی۔" اسے اپنی کوتاہی کا

احساس ہوا، حالانکہ یہ روزمرہ کی کوتاہی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔

"غالباً خالہ ابھی یہیں ہیں۔" اس نے اندازہ لگاتے ہوئے لاؤنج میں قدم رکھا۔ سحاب اور عمارہ بڑی رغبت سے چپس کھا رہی تھیں جبکہ عمر، سمن کی ٹانگوں سے جھول رہا تھا۔ ٹی وی پر پُرشور میوزک چل رہا تھا۔

اس نے ہنگامہ خیز ماحول کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا سحاب نے اٹھ کر ٹی وی آف کر دیا. پھر ٹشو سے ہاتھ صاف کرتی دوپٹہ کندھوں پر برابر کرنے لگی۔ سمن حیرانی سے اس کا طرزِ عمل دیکھ رہی تھی۔ سحاب سکس کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی، اس طرح اہتمام سے دوپٹہ اوڑھنا، پھر ٹی وی بند کرنا اسے غیر معمولی سا لگا۔ جبکہ عمر کے ساتھ کھیل میں مگن ہونے کی وجہ سے اس کا اپنا دوپٹہ صوفے کی پشت پر پڑا ہوا تھا۔ احمد لب بھینچے کھڑا تھا۔ عمارہ بھی چپس کھانے کا عمل ترک کر کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات لیے کھڑی تھی۔

"اتنی چھوٹی بچیوں کا یہ طرزِ عمل، یہ احمد ہے یا ہٹلر کا کوئی جانشین۔" وہ دانت پیستے ہوئے اٹھی۔ دوپٹہ کھینچ کر کندھوں پر ڈالا اور احمد کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اس نے ٹی وی دوبارہ آن کر دیا۔ ٹیبل سے چپس کی پلیٹ اٹھا کر عمر کو کھلانے لگی، ساتھ ہی میوزک پر پاؤں ہلاتے ہوئے خود بھی چپس کھانے لگی۔

"سحاب! فریج سے کوک لانا، تم پتہ نہیں کیسے خالی چپس کھا رہی تھیں۔" وہ بے نیاز بنی ہوئی تھی۔ سحاب اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

"بھابھی اور امی کہاں ہیں؟" اس نے بغیر کسی کو مخاطب کیے پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔" سمن نے براہِ راست اسے دیکھتے ہوئے برجستہ جواب دیا۔ اس نے سلگتی ہوئی نگاہ سمن پر

چھینکی اور عمارہ کی طرف مڑ کر اپنا سوال دہرایا۔

"پاپا باہر گئے ہیں۔ ماما اور دادو، پھپھو کی طرف گئی ہیں۔" وہ تن فن کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

وہ جوتوں سمیت بیڈ پر اوندھا پڑا تھا، جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" اس نے بیزاری سے جواب دیا۔ ٹرے میں پانی کا گلاس رکھے سمن نمودار ہوئی تھی. وہ بے ساختہ سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"سالن تیار ہے، میں روٹی پکاتی ہوں، تم چینج کر لو۔

چاہو تو کچن میں آجاؤ ورنہ میں کھانا یہیں لے آتی ہوں۔" وہ اس کا جواب سنے بغیر باہر آ گئی۔

پندرہ منٹ بعد وہ کمرے میں کھانا لے کر آئی تو وہ دوبارہ آڑا ترچھا بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔ پانی کا گلاس اسی طرح سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ سمن نے خاموشی سے ٹیبل پر ٹرے رکھی اور باہر جانے کے لیے مڑی۔

"خالہ جان چلی گئیں؟" اس نے ٹرے واپس لے جانے والا جملہ منہ میں روک کر بالکل برعکس بات کی۔

"امی کب آئی تھیں؟" وہ رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم کس کے ساتھ آئی ہو؟" وہ اب سیدھا ہو چکا تھا۔

"صمد بھائی گئے۔ انہوں نے خالہ امی کی طبیعت کے بارے میں بتایا تو میں ان کے ساتھ چلی آئی۔"

"ہوں۔۔ خدمتِ خلق کا بخار چڑھا ہوا ہے یا پھر۔۔۔" وہ تولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یا پھر۔۔۔؟" سمن کا انداز جارحانہ تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ مہمان سمجھ کر لحاظ کر گیا۔ سمن وہیں کھڑی بگڑے تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ احمد

اسے نظر انداز کرتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو سمن جا چکی تھی۔ اس نے کھانے پر نگاہ ڈالی۔ آلو میتھی کی بھجیا، قیمہ مٹر، چپاتی کے ساتھ میں رائتہ اور سلاد تھا۔ وہ اتنے اہتمام سے کھانے کا کب عادی تھا۔ اکثر وہ رات گئے گھر آتا تھا اور خود ہی کھانا گرم کر کے کھا لیتا۔ روٹی ہاٹ پاٹ میں رکھی ہوئی ملتی۔ اگر وہ جلدی بھی گھر آ جاتا تو کمرہ بند کر کے پڑا رہتا۔ سب کے سونے کے بعد خود کچن میں جاتا اور کھانا نکال کر وہیں چند نوالے لے لیتا۔

آمنہ بیگم نے پہلے پہل اس کے لیے تازہ چپاتی بنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کھانا کھائے بغیر ہی کمرہ بند کر لیتا۔ اسے یہ محبتیں, توجہ سب دکھاوا اور ڈھکوسلا لگتی تھیں۔ آج جانے کتنے دنوں بعد اتنے اہتمام سے کھانا اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ سائرہ باجی آئی ہوئی ہوتیں تو زبردستی کھانا اس کے کمرے میں لے آتیں، ورنہ عائشہ بھابھی اس کے درشت مزاج سے خائف رہتیں اور اس کے مزاج کے پیش نظر اس کے معاملے میں بہت کم مداخلت کرتیں۔ اس نے بڑی بے دلی سے پلیٹ میں سالن نکالا اور سلاد کھانے لگا۔

"یہ سمن بھی تو۔۔۔" اس کی سوچ پھر زہر آلود ہو گئی۔

"یہ لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ توجہ کی ترسی ہوئی۔ کمزور نفس کی مالک اور اسی نفس کی تسکین کے لیے اپنی اور دوسروں کی عزت داؤ پر لگانے والی۔"

اسے سمن کی یہاں بلاجواز آمد بری طرح کھل رہی تھی۔ وہ سمن کو ایسی لڑکی نہیں سمجھتا تھا، اسی لیے نکاح کی حامی بھری تھی، ورنہ منگنی توڑنا اس کے لیے قطعاً مشکل نہ تھا اور اب اس کی یہاں آمد بھابھی اور امی کی غیر موجودگی میں اپنے آگے پیچھے پھرنا, سمن کے اچھے تاثر کو مسخ کر رہا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں الجھا ہوا کھانا کھا

رہا تھا، جب سحاب خوشبودار بھاپ اڑاتی چائے کا مگ لے آئی۔

"سمن کہاں ہے؟" اس نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔

"پھپھو، دادو کو کھانا دے رہی ہیں۔"

احمد کو توقع تھی کہ چائے سمن لائے گی۔

"یقیناً امی کے آنے کی وجہ سے نہیں آئی۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور چائے کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا جو وہیں پڑے پڑے ٹھنڈا ہو گیا۔ جبکہ وہ بیڈ پر نیم دراز سوچ چکا تھا۔

فروٹ چاٹ کا باؤل اس کے سامنے رکھنے کے بعد سحاب وہیں کھڑی رہی, تو اس نے پین روک کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"چاچو! دادو بلا رہی ہیں۔"

"اچھا آتا ہوں۔" وہ دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پچھلے کئی دنوں سے آفس ورک رکا ہوا تھا۔ ورکنگ سیشن وائنڈ اپ کر کے اسے ریکارڈ کمپیوٹر میں فیڈ کرنا تھا، اسی لیے وہ سر شام ہی گھر آتا اور کمرے میں گھسا فائلوں میں سر دیے بیٹھا رہتا۔

کافی دیر بعد اس نے قلم روک کر ایک فولڈر اٹھایا تو نگاہ فروٹ چاٹ پر پڑی۔ فولڈر وہیں رکھ کر وہ فروٹ

چاٹ کھانے لگا۔ ساتھ ہی سحاب کا میسج یاد آیا۔ اس نے ارد گرد پھیلی فائلز کو دیکھا اور باؤل ہاتھ میں لیے کمرے کا دروازہ بند کر کے آمنہ کے بیڈ روم میں آ گیا۔

سمن بیڈ کی پائنتی پر بیٹھی ان کے پاؤں میں کولڈ کریم سے مساج کر رہی تھی۔ عمارہ اور عمر دونوں دادو سے کہانی سن رہے تھے۔

احمد کو اس مکمل منظر میں اپنا آپ انتہائی غیر ضروری لگا۔ وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک کر چاٹ کھانے لگا۔

آمنہ بیگم عمارہ اور عمر کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"احمد! کہاں ہوتے ہو سارا دن، کبھی ماں کو بھی شکل دکھا دیا کرو۔"

اس نے بیزاری سے ان کا شکوہ سنا اور سر جھٹکا۔ سمن اب ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔

"اسی طرح، بالکل اسی طرح وہ بھی۔ امی کو دبایا کرتی تھی۔" کوئی گزرا ہوا منظر اس کی آنکھ کی پتلیوں میں نقش ہونے لگا۔ اسے وہاں رکنا دوبھر ہو گیا تھا۔

"صمد بھائی فیصل آباد گئے ہوئے ہیں۔ خالہ امی کی دوائیاں لا دو۔" سمن نے نسخہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پرچہ تھام لیا۔

"تم دوائیاں رہنے دو۔ میرے پاس چند گھڑیاں آ جایا کرو، میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" انہوں نے آزردگی سے کہا۔

"اور میں نہیں چاہتا کہ آپ ٹھیک ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ۔۔۔"

"شٹ اپ احمد! بکواس بند کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" سمن بے قابو ہو کر چلائی۔ اس کے ہاتھ سے

دوائیوں والا پرچہ چھین کر اسے بازو سے پکڑ کر دھکیلا۔ عمر اور عمارہ ہراساں بیٹھے تھے۔ وہ ذہن میں اٹھتے ہوئے طوفان کو دباتا تیزی سے باہر نکل گیا۔

آمنہ بیگم بے ساختہ سسک اٹھیں۔ سمن نے بڑھ کر انہیں کندھے سے لگا لیا۔

"چھوڑیں خالہ امی! یہ پاگل ہو چکا ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ اس قدر سفاک ہو چکا ہے۔" وہ بے ساختہ یقینی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں گرفتار تھی۔

"وہ ٹھیک کہتا ہے، مجھے واقعی مر جانا چاہیے۔ ایسی ماں کو مر ہی جانا چاہیے جن کی بیٹیاں۔۔" آنسوؤں کی یلغار نے انہیں بات مکمل نہ کرنے دی۔

"خالہ امی پلیز۔۔۔ سائرہ باجی اور میں بھی آپ کی بیٹیاں ہیں، اس طرح مت کہیں۔" وہ ان کے ہاتھ سہلا رہی تھی۔ "اور یہ احمد، اسے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" وہ دانت پیستے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"خالہ جان! آپ لیٹ جائیں، میں ذرا کچن دیکھ لوں۔ عائشہ بھابھی اکیلی لگی ہوئی ہیں۔" وہ کمبل انہیں اوڑھا کر باہر نکل آئی۔ رخ احمد کے کمرے کی طرف تھا۔ بلا دستک زور سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو وہ بیڈ پر مٹھیوں میں بال جکڑ پڑا تھا۔

"یہ مظلومیت کے ناٹک چھوڑو اور میری بات کان کھول کر سن لو۔ تمہیں شاید اپنی ماں کی ضرورت نہیں لیکن مجھے اپنی خالہ امی کی بہت ضرورت ہے۔ وہ میری ماں ہیں، میں ان کی گود میں پلی بڑھی ہوں۔ اگر آئندہ تم نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی، تو میں تمہارا حشر کر دوں گی۔ رہی ان کی تربیت کی بات تو میری تربیت بھی انہوں نے کی ہے۔ ذرا غلط ثابت کر کے دکھاؤ۔"

"ہاں ہاں۔۔۔غلط ہیں وہ۔۔کسی کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے، جب وہ زندہ نہیں رہا تو۔۔"اس کی بات سمجھ کر سمن نے لب بھینچ لیے۔

"وہ زندہ نہیں رہا تو اس کی تقدیر، اگر خالہ کے قصور کی وجہ سے وہ چلا گیا تو تم کیوں زندہ ہو، تم بھی خالہ کی غلطی کے عوض مر جاتے۔ خالہ کو تو تمہارے خیال میں مر جانا چاہیے اور تمہیں۔۔۔؟ تمہیں تو جیسے زندہ رہنا چاہیے۔"وہ اسی کے سے دو ٹوک انداز میں بات کر رہی تھی۔"وہ مر گیا ہے تو تمہارا یہ حال ہے، جب ماں نہ رہے گی تب کیا کرو گے۔ بولو تب کیا کرو گے؟ وہ تو ماں جایا تھا، اس کے لیے اتنی تکلیف ہے۔ تمہیں بھائی ہو کر اتنی تکلیف ہے تو جنم دینے والی کو کوئی اذیت نہیں؟

اپنے دماغ کو کبھی صحیح سمت دینے کو کوشش کرو۔ سوچ کو منصفانہ بناؤ ورنہ یونہی خود کے لیے اور دوسروں کے لیے آزار بنے رہو گے۔"وہ کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ کر پلٹ گئی۔

"میں۔۔تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، کب تک چھپو گی۔ میں تمہیں پاتال سے بھی کھینچ لوں گا، تب تک تو میں موت بھی قبول نہ کروں گا، جب تک تمہیں انجام سے دوچار نہ کر لوں۔ اس آزار کا بس یہی حل ہے۔"

وہ انتہائی سنگین لہجے میں کسی کے تصور سے مخاطب تھا۔"اس اپ سیٹ کو سیٹ کرنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ زمین تمہارے بوجھ سے آزاد ہو جائے۔"

خود کو پرسکون کرنے کے لیے وہ سگریٹ سلگانے لگا۔ دھویں کے مرغولے بناتے ہوئے اس کی سوچ بہت دور پرواز کر رہی تھی۔

---------------------- ----------------------

وہ شرٹ سامنے پھیلائے بڑی مہارت سے بلاک پرنٹ کے اوپر ستارے اور موتی ٹانک رہی تھی۔ سفید شیفون کے اوپر زرد اور کاسنی امتزاج کی انتہائی دیدہ زیب ایمبرائڈری بن رہی تھی۔ وہ عمارہ اور سحاب کے لیے قمیصیں بنا رہی تھی۔ عمارہ کی شرٹ بن چکی تھی۔ اب سحاب کی باری تھی۔

"میرے کمرے میں تم گئی تھیں؟"احمد اچانک اس کے قریب آ کر گرجا۔ وہ ڈر کر اچھلی۔

"تمہیں بات کرنے کے مینرز نہیں آتے۔"وہ ناگواری سے کہتے ہوئے نیچے گرے ہوئے موتی اکٹھے کرنے لگی۔

"تم میرے کمرے میں کیوں گئیں اور لاک کیسے کھولا؟"وہ اسی طرح گرجتا رہا۔ صمد بھائی اس کی آواز سن کر باہر نکل آئے۔ سمن نے اشارے سے انہیں وہاں سے جانے کے لیے کہا اور اطمینان سے موتی چنتی رہی۔

"بندہ آرام کے ساتھ بات کر سکتا ہے، لے کے سارے موتی گرا دیے۔ اب گھنٹہ بھر انہیں چنتی رہوں۔ ادھر آؤ میرے ساتھ مل کر اکٹھے کرو پھر بتاؤں گی میں تمہارے کمرے میں کیوں گئی تھی اور کیسے گئی تھی؟"

احمد نے کھولتے ہوئے پلیٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹنے کی کوشش کی۔

"ارے ارے۔۔"سمن نے جلدی سے پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر بے ساختہ احمد کے ہاتھ پکڑے۔ اس کے سنہری اور سبک ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھ دیکھ کر احمد کے احساسات عجیب سے ہونے لگے، وہ یک ٹک اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ادھر آرام سے بیٹھو، پھر بتاتی ہوں۔" سمن اسے اسی طرح صوفے پر بٹھانے لگی، وہ کسی معمول کی طرح تعمیل کر رہا تھا۔

"ہاں، اب سنو۔" سمن ہاتھ جھاڑ کر پلٹی اور اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ "کمرے کا لاک ڈپلی کیٹ چابی سے کھولا۔ تمہیں تو پتہ ہے ہر لاک کی تین تین چابیاں ہوتی ہیں اور کمرے میں اس لیے گئی کیونکہ تمہارے کپڑے دھلنے والے تھے۔ اس کے علاوہ جالے اور گرد سے برا حال تھا۔ اب کمرہ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ سارا دن اسی کام میں گزر گیا۔" وہ اس کے احساسات سمجھے بغیر اسی اعتماد اور بے نیازی سے جواب دے رہی تھی جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

"وارڈروب کھول کر دیکھو، کیسی ترتیب اور صفائی ہے۔ اسٹڈی ٹیبل کے اوپر بھی ردی کے ڈھیر تھے، سب صاف کر دیا ہے۔ ٹیبل اتنی چمک رہی ہے کہ بیشک اس میں اپنا منہ دیکھ لو۔ چیزوں میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے احمد! زندگی اسی تبدیلی کا نام ہے۔" اس کا انداز ناصحانہ ہو گیا۔

"چلتا ہوا پانی ندی اور رکا ہوا پانی جوہڑ بن جاتا ہے، بدبو اٹھنے لگتی ہے۔ زندگی کو چلنے دو، روکو مت ورنہ بوجھ بن جائے گی۔ روزن کھلے رکھو تاکہ تازہ ہوا اور خوشبو کا گزر ہو سکے ورنہ مشکل کو مشکل تر بنا رہے ہو۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

احمد خاموشی سے اٹھ کر اوپر چلا گیا۔ سمن نے جان چھوٹنے پر شکریہ ادا کیا اور موتی چننے لگی۔

"احمد! مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔ عائشہ بھابھی کل بازار جا رہی ہیں، مجھے خالہ امی کے لیے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔"

"میرے پاس نہیں ہیں۔" وہ بے مروتی سے کہہ کر دوبارہ کی بورڈ پر ہاتھ چلانے لگا۔

"تمہارے پاس صرف سگریٹ پینے اور موبائل کارڈ خریدنے کے لیے پیسے ہیں۔" وہ جل کر بولی۔

"نہیں، بائیک میں پٹرول بھی ڈلواتا ہوں۔" اس نے تصحیح کی۔

"مجھے روپے چاہئیں، سنا تم نے۔ روپے لے کر خالہ امی کے کمرے میں آجاؤ۔" وہ دھونس بھرے انداز میں بولی۔

"زبردستی ہے کیا؟" اس نے سمن کے چہرے پر بھرپور نظر ڈالی اور پھر جھکا لی۔ سیاہ پرنٹڈ سوٹ میں اس کا گلابی گلابی سراپا بہت دلکش لگ رہا تھا۔ اس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے والٹ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں نے کہا نا، خالہ امی کے پاس لے آؤ۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

"مجھے کمزور نہیں پڑنا، ایک بار پھر عورت پر اعتبار۔ ہرگز نہیں، وہ بھی۔۔ وہ بھی تو اسی صنف سے تھی۔ کتنا مان، کتنی محبت اور اعتماد دیا تھا اسے۔ رشتہ بدلنے سے کیا ہوتا ہے، فطرت تو وہی رہتی ہے۔ یعنی خود غرض اور ہرجائی۔ نہیں، میں کمزور نہیں پڑوں گا۔"

وہ والٹ اٹھا کر باہر نکل آیا۔ خالہ، بھانجی اخبار کھولے کسی کالم پر زور و شور سے تبصرہ کر رہی تھی۔ اس نے سمن کی طرف دیکھنے سے گریز کیا اور والٹ میں سے کچھ نوٹ نکال کر آمنہ بیگ کی طرف بڑھا دیے۔ سمن سرشاری سے مسکرا دی۔ یہ پہلی کامیابی تھی، یعنی کہ یہ پلٹ سکتا ہے، پلٹ رہا ہے۔

اگلے دن وہ شاپنگ بیگز لیے اس کے پاس آ دھمکی۔ سحاب بھی اس کے ساتھ تھی۔

"سمن! جاؤ یہاں سے، مجھے آرام کرنا ہے۔" وہ صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ کشن منہ پر رکھ لیا۔

"ہاں آرام بھی کر لینا، پہلے یہ سب تو دیکھو۔ آخر تمہارے دیے ہوئے پیسوں سے شاپنگ کی ہے۔" اس نے کشن کھینچا اور چند ان سلے سوٹ اس کی گود میں رکھ دیے۔

"یہ خالہ کے لیے ہیں۔" وہ جوتے، سفید شال اور دوسری چیزیں اس کے سامنے رکھ رہی تھی۔ سحاب نے اپنی شاپنگ بھی لگے ہاتھوں سامنے پھیلا دی۔ وہ اپنے سفید سوٹ کے ساتھ میچنگ چوڑیاں، جوتے اور ہیر بینڈ وغیرہ لائی تھی۔

احمد نے نوٹ کیا کہ سمن اپنے لیے کچھ نہیں لائی تھی۔ (تو نہ لائے مجھے کیا؟) اس نے خود کو ڈپٹا اور کپڑے وغیرہ ہٹا کر دوبارہ کشن منہ پر رکھ لیا۔

اتوار کے دن سائرہ باجی، آمنہ بیگم کو ساتھ لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ عائشہ بھابھی کپڑوں کے سلسلے میں درزی کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ سحاب اور عمارہ کو پڑھنے کے لیے بٹھا کر سمن نے دوپہر کا کھانا پکایا اور نہانے کے لیے چل دی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد صمد بھائی آجاتے تو پھر کھانا لگانا تھا، اس لیے اس نے پہلے فریش ہونے کا سوچا۔ جلدی جلدی نہا کر وہ گیلے بال تولیے میں لپیٹے باہر آئی اور بالوں کو سلجھانے لگی۔

احمد اور صمد بھائی کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس آئے تو احمد اسے تلاش کرتا ہوا آیا تا کہ کھانا لگانے کا کہہ سکے۔ وہ پوری توجہ سے بال سلجھا رہی تھی۔ احمد یک ٹک اس کے لمبے گیلے بالوں کو دیکھنے لگا۔

"صمد بھائی بھی آگئے ہیں آپ لوگ بیٹھیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔"

وہ برش میں سے ٹوٹے ہوئے بال نکال کر ڈسٹ بن میں پھینک کر اس کے پاس سے گزرنے لگی۔ احمد نے ٹرانس کی کیفیت میں آگے بڑھ کر اس کے نم بال پکڑے اور ہاتھ میں لپیٹ لیے۔ گہری سانس لے کر اس نے بالوں میں سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی مہک جذب کی۔

سمن اندر ہی اندر بری طرح سہم گئی لیکن بظاہر اعتماد کے ساتھ اس کا ہاتھ جھٹک کر کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ تشنہ آرزو لیے وہیں کھڑا رہ گیا۔

کھانا کھاتے ہوئے اس نے دیکھا، سمن نے دوپٹہ بڑی سختی سے لپیٹ رکھا تھا۔ بال غالباً گیلے ہی باندھ لیے تھے۔ احمد زیر لب مسکراتے ہوئے اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"بھائی جان! میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جا رہا ہوں۔" احمد نے سفری بیگ میں مختصر سا سامان رکھا اور بھائی کے پاس چلا آیا۔ آمنہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں، ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔

"کراچی کس سلسلے میں جا رہے ہو؟" صمد بھائی نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔

"کچھ کام ہے۔" وہ از حد سنجیدہ تھا۔ "شاید کام بن ہی جائے۔" وہ آہستگی سے بولا۔

آمنہ بیگم کی سانس رکنے لگی۔

"تمہارا آفس۔۔۔" صمد بھائی نے روکنے کی ناکام کوشش کی۔

"چھٹی لے لی ہے، شاید نوکری چھوڑنی پڑ جائے۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

صمد بھائی کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تو اس کے نکاح کے بعد اس معاملے کو ختم کر بیٹھے تھے۔ سمن کی یہاں موجودگی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی لیکن یہاں سب کچھ ویسے ہی تھا۔

"احمد! تم اپنی جاب پر دھیان دو، مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے یار!" وہ ہارے ہوئے انداز میں بولے۔

"آپ کو ولید کی ضرورت نہیں تھی؟ مجھے ولید کی ضرورت نہیں تھی؟ امی کو وہ بیٹا نہیں تھا؟ اس کے قاتل یونہی کھلے پھریں اور میں آرام سے بیٹھا رہوں، ہر گز نہیں۔" اس کا انداز اٹل تھا۔

سمن نے خود پر قابو پا کر پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" اس نے بے تاثر انداز میں کہا مگر گلاس نہیں پکڑا۔ آمنہ بیگم کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ ولید کی موت ان کے وجود کا رستہ ہوا ناسور تھا اور اب دوسرا بیٹا بھی اسی آگ میں جلنے کو تیار۔ انہوں نے احمد کے کمزور سراپے اور ویران چہرے کو دیکھا اور اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

ماحول پر ایک بوجھل خاموشی طاری تھی۔

"میں آپ سے کانٹیکٹ رکھوں گا، صرف چند دنوں کی بات ہے۔ ان شاءاللہ ایک ہفتے تک واپس آجاؤں گا۔" وہ مشینی انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"احمد۔۔ میرے بچے۔۔۔" آمنہ بیگم نے بے ساختہ پکارا۔

"خدا حافظ امی!" اس نے جھک کر ان کے گھٹنے چھوئے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ اس نے ایک بار بھی سمن کی طرف نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتا تو شاید اس کے قدموں میں اتنی مضبوطی نہ ہوتی۔

"یا اللہ۔۔۔ مجھے کیا پتا تھا، میں سانپ کو دودھ پلا رہی ہوں۔ میرے مالک! تو اسے خود ہی اٹھا لے۔ پروردگار! میرے تو پہلے زخم تازہ ہیں، اب کوئی نیا سانحہ میرے بخت میں شمار نہ ہو۔ یا خدا! ایسی بیٹیاں کسی کو نہ دینا جو یوں بربادی اور ذلت کے گڑھے میں اپنے گھر والوں کو دھکیل دیں۔" وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ صمد بھائی انہیں چپ کرواتے کرواتے خود بھی رو پڑے تھے۔

"صمد۔۔ میرا ولید۔۔ وہ بھی انہیں پرخار راستوں کا مسافر بن گیا تھا اور اب یہ۔۔ میں کیوں زندہ ہوں، میں ولید کی جگہ قبر میں کیوں نہ جا سوئی۔" وہ صمد کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے رو رہی تھیں جیسے ولید کو ابھی سفید کفن میں رخصت کیا ہو۔

احمد کو گئے دو دن ہو گئے تھے اور اس نے ایک فون بھی نہیں کیا تھا، نہ جانے کیا بات تھی، وہ کہاں تھا اور کیا کرتا پھر رہا تھا۔ گھر میں سب کی جان مٹھی میں آئی ہوئی تھی۔ عائشہ بھابھی ذرا بے نیاز قسم کی اپنے آپ میں گم

رہنے والی خاتون تھیں لیکن سائرہ باجی جیسی زندہ دل اور خوش مزاج شخصیت بھی کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر چپ چاپ پھرتی تھیں۔

سمن نے ہنستے مسکراتے ماحول کو گہرے سکوت میں ڈھلتے دیکھا تھا۔ ہر دھڑکن کسی آہٹ، کسی طوفان، کسی تشویش ناک صورت حال کا پیش خیمہ محسوس ہو رہی تھی۔

ایک دوسرے کو تسلی دیتے تو کیا دیتے، سب ایک دوسرے سے چھپتے پھر رہے تھے۔

"امی! میں صبح کراچی جاتا ہوں احمد کا پتہ کرنے۔" تیسرے دن کا سورج رو بہ زوال ہوا اور شام اپنے پر پھیلا کر رات کی طرف محو پرواز ہوئی تو صمد بھائی کا ضبط جواب دے گیا۔

"وہاں جا کر کیا کرو گے؟ اس کا کوئی اتا پتا ہے جو اسے تلاش کر سکو؟"

اس نے کہا تھا۔ جاتے ہی فون کرے گا اور آج تیسرا دن بھی گزر گیا۔ خود کو سنبھالتے سنبھالتے صمد بھائی تھک سے گئے۔ ولید کے جانے کے بعد ان کا حوصلہ بکھر چکا تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا اٹھتے۔ احمد کو انتقام کی آگ نے جوڑ رکھا تھا ورنہ ولید کے ساتھ اس کی اٹیچ منٹ سارے گھر سے زیادہ تھی۔

اس کے بلند قہقہے اور چہکار اب خواب ہو چکی تھی۔ اب تو اس کی آنکھوں میں ایک ہی موسم ٹھہرا تھا۔ بے اعتباری کا موسم، اسی بے اعتباری نے اس کو تند خو اور سفاک بنا ڈالا تھا۔

سمن اور صبا گریجویشن فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹس تھیں جب ولید کا تبادلہ لاہور سے فیصل آباد ہو گیا۔ انٹر کے پہلے سال سے لے کر گریجویشن تک وہ دونوں ولید سے ٹیوشن لیتی رہی تھیں۔ اب اچانک اس کے جانے پر وہ دونوں پریشان ہو گئیں۔

"انگلش کی ٹیوشن کے بغیر پیپر کلیئر نہیں ہو گا۔" وہ دونوں آمنہ بیگم کے سر ہو گئیں۔ انہوں نے احمد سے کہہ کر ان دونوں کے لیے ٹیوٹر کا انتظام کر دیا۔

معاذ، احمد کا جاننے والا قابل بھروسہ آدمی تھا۔ اس لیے احمد نے بلا جھجک اسے گھر بلا کر صبا اور سمن کو پڑھانے کے لیے کہا۔ معاذ پڑھا لکھا بیروزگار تھا۔ ہوم ٹیوشنز اور اکیڈمیز میں پڑھا کر وہ اپنے اخراجات پورے کرتا تھا اور مزید تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ سمن کو آج تک اپنے احمق اور کوڑھ مغز ہونے پر بیحد قلق تھا۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والے اور دوستوں کے معاملات میں بے جا مداخلت نہ کرنے والی لڑکی تھی۔

معاذ سے پڑھتے انہیں تین مہینے ہو چکے تھے۔ معاذ کے پڑھانے کا انداز اچھا اور معلومات بیحد وسیع تھیں۔

سمن نوٹس بنانے اور رٹے لگانے میں مصروف رہتی۔ اپنی پڑھائی اور اسائنمنٹس کے چکر میں الجھی ہوئی وہ قطعاً اندازہ نہ کر پائی کہ صبا اور معاذ کے درمیان کیا "چکر" چل نکلا ہے۔

وہ تو رائٹنگ ٹیبل پر کوئی کتاب ڈھونڈتے ہوئے اسے ایک مہکتا ہوا کارڈ ملا تو وہ حیرت زدہ دیکھتی رہ گئی۔ کارڈ بلا شبہ معاذ نے دیا تھا۔ سمن اس کی رائٹنگ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ سمن نے صبا سے استفسار کیا تو اس نے بلا تردد ساری بات اسے بتا دی۔ وہ اکیلی اس راز محبت کو سنبھالتے ہوئے تھک گئی تھی۔ سمن اس آگہی پر پریشان ہو اٹھی۔

"صبا! یہ بالکل غلط ہے، تم جانتی ہو، اس سب کا انجام کیا ہوگا؟"

"معاذ میرے لیے بہت سیریس ہیں، یقیناً انجام بخیر ہوگا۔" صبا بہت بااعتماد اور پرامید تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، خالہ امی اور بھائی لوگ مان جائیں گے، کبھی نہیں۔" سمن نے کافی سخت انداز میں کہا۔

"ان لوگوں کو ماننا پڑے گا۔ زندگی مجھے گزارنی ہے، اس لوگوں نے نہیں۔" صبا کے لہجے میں بغاوت تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ سر معاذ تمہارے ساتھ فیئر ہیں، نہ جانے کتنی لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں اور وقت گزاری کے لیے کس کس کے ساتھ فلرٹ کرتے ہوں گے۔"

"بکواس مت کرو سمن! اور اپنے کام سے کام رکھو۔ معاذ ایسے نہیں ہو سکتے، مجھے یقین ہے۔ احمد انہیں اچھی طرح جانتا ہے، اسی لیے ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں گھر تک لایا ہے۔"

"ہاں، اسی اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے نقب لگانے کی کوشش کی ہے۔" سمن کا انداز طنزیہ تھا۔

صبا ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ سمن نے طیش میں آکر کارڈ ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ اس دن کے بعد سمن پڑھائی کے

دوران بہت چوکنا رہتی جبکہ صبا اسے بتانے کے بعد بہت نڈر ہوگئی تھی۔ وہ اس کے سامنے ہی معاذ کے ساتھ ذومعنی باتیں کیا کرتی۔ محض دو تین دن میں سمن کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ احمد کے پیچھے پڑ گئی کہ ٹیوٹر بدل دے کیوں کہ اسے معاذ سے پڑھنے میں بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور یہ کہ معاذ نے توجہ سے پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔

"سر معاذ اچھا پڑھاتے ہیں، تمہیں تین چار ماہ بعد پتہ چلا ہے کہ وہ اچھا نہیں پڑھاتے۔" صبا نے اس کی بھرپور مخالفت کی۔

"اگر تم نے مزید کچھ کہا تو میں احمد کو اصل بات بتا دوں گی۔" سمن کا سرد لہجہ صبا کو خوف زدہ کر گیا، وہ چپ ہو گئی۔

سمن کے اصرار پر احمد نے معاذ سے معذرت کرلی۔ ویسے بھی احمد، سمن کو خصوصی رعایت دیتا تھا لیکن سمن اپنی سیدھی دوٹوک طبیعت اور مزاج کی وجہ سے اس بات کو نوٹس نہ کر سکی۔

"احمد! کسی فی میل ٹیچر کا انتظام کرنا، فی میل ٹیچر سے ڈسکشن کرنا آسان ہوتا ہے۔"

سمن پہلے تجربے سے ڈر گئی تھی، اب مزید رسک نہ لینا چاہتی تھی۔ اسے کیا خبر کہ یہ پہلا تجربہ ان لوگوں کو کیا ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والا تھا۔ معاذ کے چلے جانے کے بعد وہ بہت مطمئن ہوگئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ صبا کی جذباتیت ختم ہو چکی ہے کیونکہ صبا نے اس کے بعد کوئی بات نہیں کی تھی۔

***

"صبا کس سے بات کر رہی ہو؟" نیند بھری آنکھیں کھول کر اس نے ناسمجھی کی کیفیت میں صبا سے پوچھا۔ اس کا ذہن ابھی سویا جاگا تھا۔

"کچھ نہیں، یہ کوئسچن یاد نہیں ہو رہا، اس لیے بلند آواز میں ریپیٹ کر رہی ہوں۔"

صبا نے اسٹڈی ٹیبل پر کھلی کتاب پر نگاہ جمالی۔ ان دونوں کے امتحانات ہو رہے تھے، اس لیے وہ سب کچھ بھلائے دن رات پڑھائی ہو رہی تھی۔ سمن پڑھتے پڑھتے تھوڑی دیر کے لیے سوگئی تھی۔ ویسے بھی پیپر کی

فکر میں پر سکون نیند آنا مشکل تھا، پھر صبا کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ دوبارہ تکیے پر سر رکھ کر بے خبر ہو گئی۔ صبا نے محتاط نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ معاذ کا نمبر ڈائل کیا۔

"معاذ! صبح پیپر ہے، میں اب کچھ پڑھ لوں۔ صبح بات کریں گے۔" سمن نے بے چین ہو کر کروٹ بدل لی۔

صبا نے جلدی سے موبائل گود میں رکھا اور کتاب کے صفحے پلٹنے لگی۔

نیم وا نیند سے بھری آنکھوں کے ساتھ سمن اس کی یہ حرکت نوٹ کر چکی تھی لیکن آنکھیں بند کر کے بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ نیند کا نام و نشان بھی غائب ہو چکا تھا۔ صبا کی یہ حرکت اسے چند ماہ پیچھے لے گئی۔

"اس کا مطلب ہے صبا ابھی تک سر معاذ سے رابطہ رکھے ہوئے ہے۔" اس خیال نے ثمن کو پریشان کر دیا۔

اس نے بے ساختہ تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

"کافی سو لیا۔ اب اٹھ کر کچھ پڑھ لو۔" صبا نے اسے کروٹیں بدلتے دیکھ کر کہا۔ ساتھ ہی قریب آ کر تکیہ اس کے منہ سے ہٹایا۔ سمن کو اس وقت صبا سے شدید قسم کی بیزاری ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر باتھ روم میں منہ دھونے چلی گئی۔

اگلے دن صبا کی غیر موجودگی میں اس نے صبا کا موبائل چیک کیا۔ علیزہ نام سے فیڈ کیے گئے نمبر پر بہت سارے میسجز اور کال تھیں۔ سمن نے اپنے موبائل سے اس نمبر پر کال ملائی اور سر معاذ کی آواز سن کر اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ اس نے کال ڈس کنیکٹ کر کے موبائل آف کر دیا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہیے، صبا کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں۔ میں کس سے بات کروں۔" اسی ادھیڑ بن

میں وہ آخری دو پیپروں کے دوران الجھی رہی۔ پیپر ختم ہوتے ہی اس نے صبا سے کھل کر بات کرنے کا ارادہ کیا۔

"صبا تمہارا ابھی تک سر معاذ سے رابطہ ہے؟" اس نے نگاہیں صبا کے چہرے پر جما کر بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

صبا کا رنگ اڑ گیا۔

"نہیں تو۔" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"صبا پلیز۔۔۔ جھوٹ مت بولو، دیکھو میں تمہاری بہن ہی نہیں، دوست بھی ہوں۔ تم اس بات کو مت چھپاؤ، میں نے خود تمہیں سر معاذ سے بات کرتے دیکھا ہے۔" صبا کا سر جھک گیا، گویا وہ اس بات کا اعتراف کر رہی تھی۔

"تم ایک فضول اور لا حاصل معاملے میں الجھی ہوئی ہو۔

س سب کا کوئی فائدہ نہیں۔ انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے لیکن اس غلطی کو بار بار دہرانا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔ میں معاذ سے شادی کروں گی، مجھے صرف اس بات کا انتظار ہے کہ انہیں جاب مل جائے۔"

"سر معاذ کا خاندان، ان کی معاشی حالت، ان کا معاشرتی مقام اور سب سے بڑھ کر سر معاذ کا غیر یقینی مستقبل۔۔۔ کوئی نہیں مانے گا۔ خدا کے لیے ہوش سے کام لو، کیا تم سب گھر والوں کی مخالفت مول لو گی؟ صمد بھائی کی شفقت، ولید بھائی کا پیار، ان کا اعتماد اور سب سے زیادہ خالہ امی کی مشکلات بھری زندگی۔ تم کسی

ایک چیز کو بھی سوچو تو تمہارے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔" سمن کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔

"اگر ان سب کو مجھ سے محبت ہے، تو ان سب کو میری خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔ جب تک میں ان کی بات مانوں، تب تک وہ مجھ سے محبت کرتے رہیں گے، جہاں میں اپنے لیے کچھ سوچوں ان کی محبت کی کہانی ختم۔"

"تو تم اپنے لیے کچھ اچھا سوچو نا۔" سمن بڑی بے بسی سے اس کا انداز دیکھ رہی تھی۔

"اسٹاپ اٹ پلیز، میں چائے لے کر آئی تھی کہ مل کر پییں گے۔ سارا مزا خراب کر دیا۔ تم پر اکثر ناصحانہ دورے پڑتے رہتے ہیں۔ لے کر چائے ٹھنڈی کر دی۔" صبا بے فکری سے کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

"مجھے سائرہ باجی سے بات کرنی چاہیے۔" سمن فیصلہ کن انداز میں اٹھی اور بیڈ کے نیچے سے اپنی چپلیں ڈھونڈنے لگی۔ وہ سائرہ آپی کے گھر جا رہی تھی۔

"سمن! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" سائرہ باجی ساری بات سن کر بری طرح گھبرا گئیں۔

"میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ میں یہی سمجھی تھی کہ یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ مجھے چند دن پہلے پتہ چلا ہے کہ صبا ابھی تک اس سے رابطے میں ہے۔"

"تم صبا کا موبائل مجھے دے دو، تاکہ وہ مزید اس سے بات نہ کرے۔ لینڈ لائن فون کو میں ابھی لاک کرتی ہوں۔ اپنے موبائل کو دھیان سے رکھنا۔ اس کے بعد میں صبا سے اس معاملے پر بات کروں گی۔"

"باجی! موبائل لینا اس مسئلے کا حل نہیں۔ میں بھی یہی سمجھی تھی کہ سر معاذ چلے جائیں گے تو مسئلہ ختم ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آپ اس سے بات کریں، اسے سمجھائیں یا جیسے بھی ہو، اس ایشو کو سلجھائیں۔"

سمن انہیں سوچوں میں گم چھوڑ کر چلی گئی۔

***

"تم نے سائرہ باجی سے کیا کہا تھا؟" سمن کچن میں پاستا بنا رہی تھی۔ سحاب اور عماد چیئرز پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھیں، صبا تن فن کرتی کچن میں چلی آئی۔

"وہی جو انہوں نے تم سے کہا۔" سحاب اور عمارہ کی موجودگی کے باعث سمن نے اپنا انداز بالکل سرسری رکھا۔

"تو تم نے ان سے کہا تھا کہ مجھ سے موبائل لے لیں؟" وہ بے قابو ہو کر چلائی۔ سمن حیران رہ گئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"صبا ایک منٹ، ہم کمرے میں جا کر بات کرتے ہیں، تم چلو میں آتی ہوں۔" بچیوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے صبا کو جانے کے لیے کہا۔ صبا خونخوار نظروں سے گھورتی پاؤں پٹختی چلی گئی۔

سمن نے پاستا سحاب اور عمارہ کو دیا اور بے دلی سے کچن سے باہر نکل آئی۔

"سائرہ باجی نے مجھ سے موبائل لے لیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، اس طرح میرا معاذ سے رابطہ ختم ہو جائے گا، کبھی نہیں۔" سمن ابھی کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر رہی تھی، جب صبا اس کے اندر داخل ہوتے ہی چلانے لگی۔

"صبا! ٹھنڈے دل کے ساتھ میری بات سنو، پھر جو چاہو کہنا۔" سمن کے سنجیدہ اور پرسکون انداز پر صبا خاموش ہو گئی۔

"اگر کل تک گزرے ماضی کے تمام دنوں کو یاد کرو، تو تمہاری مجھ سے بدگمانی بے جا ہو گی۔ ہم بہت اچھی بہنیں اور دوستیں ہیں، جہاں تک سر معاذ کا تعلق ہے، تم اور میں اپنے گھر کے ماحول اور خاندانی نظام سے اچھی طرح واقف ہیں۔ یہاں بہن بھائی کے رشتے میں اپنائیت اور احترام جبکہ کزنز کے تعلق میں ایک حجاب اور حد ہوتی ہے اور کسی لڑکے سے دوستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تمہارا ایسا خیال ہے بات میرے بتانے پر کھلی ہے تو یہ تمہاری غلط فہمی

ہے۔"

"یہ میری غلط فہمی نہیں۔ سائرہ باجی کو تم نے بتایا ہے۔" صبا نے تنفر سے اس کی بات کاٹی۔

"سائرہ باجی کو میں نے بتایا ہے، مجھے کس نے بتایا؟" سمن نے رسان سے کہا تو صبا لاجواب ہو کر چپ رہ گئی۔

"اس طرح کی باتیں کبھی نہیں چھپتیں۔ غلط کام اگر سات پردوں میں رہ کر کیا جائے، تب بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔"

میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔" صبا اپنی ہٹ دھرمی پر اڑی ہوئی تھی۔

"ہو سکتا ہے، تمہارے پاس اپنے اس فعل کے لیے توجیحات ہوں لیکن میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مذہبی نقطہ نظر سے اور معاشرتی لحاظ سے یہ غلط ہے۔ ہمارا مذہب کہتا ہے، غیر مرد سے ضرورتاً بھی بات کرنی پڑے تو اپنا لہجہ سخت رکھو تاکہ اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو۔ اگر سر معاذ تمہارے ساتھ فیئر ہیں تو ان سے کہو، رشتہ بھیجیں۔"

"ان کے پاس جاب نہیں ہے، اس لیے وہ ابھی مجھے پرپوز نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی میری ابھی شادی کی عمر

نہیں ہے، مجھے ابھی پڑھنا ہے۔"

"اگر ان کے پاس جاب نہیں ہے تو صرف منگنی کر لیں۔ شادی جاب ملنے کے بعد ہو گی۔ کم از کم ان کے اور تمہارے تعلق کی کوئی معقول وجہ تو ہو گی، جہاں تک تمہاری عمر کا تعلق ہے تو تم ثابت کر چکی ہو کہ تم ایسی عمر اور اسٹیج پر پہنچ چکی ہے، جہاں ماں باپ، بہن بھائیوں، دوستوں کی محبت تمہیں کم لگنے لگی اور کسی تیسری محبت کی ضرورت پڑ گئی بلکہ ایک شخص کی چند روزہ محبت باقی سب محبتوں پر حاوی ہو گئی۔"

"اگر سر معاذ تمہارے ساتھ فیئر ہیں تو انہیں کہو، پرپوزل بھجیں، ورنہ بات ہاتھ سے نکل جائے گی۔ ولید بھائی اور احمد بھائی کا تمہیں اچھی طرح پتہ ہے۔ ولید بھائی جتنا پیار کرتے اور جان چھڑکتے ہیں، اتنے ہی شدت پسند ہیں۔ ہر وقت ہنستے مسکراتے رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں غصہ نہیں ہے۔ پرسکون پانی ہمیشہ زیادہ گہرا ہوتا ہے، اپنے وقار کو لگی ٹھیس وہ کبھی برداشت نہیں کریں گے اور احمد تو ہے ہی جذباتی۔ وہ مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ وہ عموماً ہوش سے کم اور جوش سے زیادہ کام لیتا ہے۔"

"میں نے معاذ کو کہا تھا کہ وہ اس معاملے کو آگے بڑھائیں لیکن وہ کہہ رہے تھے کہ ان کے حالات اجازت نہیں دیتے۔"

"صبا! میں تمہاری خیر خواہ ہوں، اسی لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ اگرچہ اس طرح کے معاملات میں ناصح اچھا نہیں لگتا لیکن تمام صورت حال تم پر عیاں ہے۔ سر معاذ کے حالات انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ کوئی رشتہ جوڑ سکیں لیکن ان کے حالات اس بات کے لیے بالکل مناسب ہیں کہ وہ محبتیں پالتے پھریں۔ بہترین حل یہ ہے کہ تم سر معاذ کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ گھر والے کبھی اس رشتے کے لیے

نہیں مانیں گے۔ بالفرض اگر مان بھی گئے تو خود تمہاری زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔"

"میں تمام مشکلات سہہ لوں گی، تم فکر نہ کرو۔ سائرہ باجی نے میرا موبائل لے لیا ہے۔ مجھے اپنا فون دو، میں معاذ سے کہتی ہوں کہ وہ رشتہ بھیجیں۔ اب بات سنبھالنا مشکل ہے۔" سمن نے نہایت تذبذب کے ساتھ اسے اپنا موبائل دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"معاذ! سائرہ باجی کو ہمارے تعلق کی خبر ہو گئی ہے۔ انہوں نے میرا موبائل چھین لیا ہے۔ آپ جلدی سے اپنے گھر والوں کو بھیجیں۔"

"سائرہ باجی کو کیسے پتہ چلا؟" وہ اس کی بات پر پریشان ہو گیا۔

"ثمن کی بچی نے بتایا ہے۔" صبا نے دانت پیسے۔

"تم تھوڑا احتیاط سے کام لیا کرو۔"

"میں رشتے کی بات کر رہی ہوں۔" صبا اس کے نظر انداز کرنے پر چڑ گئی۔ "میں روز روز سمن کے موبائل سے بات نہیں کر پاؤں گی۔ سائرہ باجی نے لینڈ لائن فون بھی لاک کر دیا ہے۔ آپ جلدی سے کچھ کریں۔"

"تم فکر نہ کرو، میں چند دنوں میں تمہیں نیا موبائل لے دوں گا۔ پھر سمن سے چھپا کر رکھنا۔"

"معاذ! آپ اپنے والدین کو کب بھیج رہے ہیں؟" صبا نے پوری طرح محسوس کیا کہ معاذ رشتے والی بات پر بالکل نہیں آ رہا۔

"میرے حالات تم جانتی ہو، میں کچھ بن کر تمہارے گھر آنا چاہتا ہوں، تاکہ تمہارے گھر والے انکار نہ کر

سکیں۔ اس کے لیے تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ میں جاب کے لیے بہت کوششیں کر رہا ہوں۔"

"جو کچھ کرنا ہے، جلدی کریں۔ سائرہ باجی کافی غصے میں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں۔"

"تم میری محبت پر یقین رکھو، باقی سب کچھ چھوڑو، میں کسی قیمت پر تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔"

معاذ کا لہجہ اور الفاظ اثر پذیر تھے۔ سمن دروازہ کھول کر اندر آئی تو صبا نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"کیا کہا انہوں نے؟"

"وہی جاب کا مسئلہ۔" صبا کے لہجے میں مایوسی تھی لیکن اندر سے وہ مطمئن تھی۔ سمن نے چپ رہنے میں بہتری سمجھی۔ سائرہ باجی نے اپنی طرف سے دانشمندی سے کام لیتے ہوئے آمنہ بیگم سے صبا رشتہ تلاش کرنے کے لیے کہا۔ وہ خود بھی اس سلسلے میں سرگرم ہو چکی تھیں۔

***

اسی دوران ولید فیصل آباد سے آیا اور ان دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ولید کو اپنے محکمے کی طرف سے رہائش مل گئی تھی۔ اسی خوشی میں وہ ان سب کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا۔ سائرہ اور عائشہ بھابھی نے معذرت کر لی کہ وہ چھٹیوں میں جائیں گی۔ ولید، عمارہ، سحاب، سمن اور صبا کو لے کر چلا گیا۔

ولید بھائی کی توجہ، محبت، نت نئی جگہوں پر گھومنا پھرنا، ان سب نے بہت انجوائے کیا۔ یہ دن سمن کے لیے زندگی کے یادگار دن تھے۔ خوشی اور بے فکری سے بھرپور۔ ولید نے ان کا بہت خیال رکھا۔ وہ خود بہت باغ و بہار شخصیت کا مالک تھا۔ دلچسپ گفتگو، وسیع معلومات، فی البدیہہ جملے۔ وہ بور نہیں ہونے دیتا تھا۔ مخاطب کو

اپنے سحر میں جکڑ لیتا۔اس کی شاندار شخصیت، لباس پہننے کا سلیقہ، باوقار انداز اور بہترین جاب نے اس کی شخصیت کو مزید متاثر کن بنا دیا تھا۔ مضبوط جسامت اور ہئیر کٹ کی وجہ سے وہ کسی ایجنسی کا آفیسر دکھتا تھا۔ سمن اور صبا کو اس کے ساتھ چلتے ہوئے فخر کا احساس ہوتا۔اس قدر شاندار بھائی، راہ چلتے لوگ ٹھٹک کر دیکھتے۔اس کی معیت میں بہت تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔

پندرہ دن فیصل آباد میں گزار کر وہ بہت خوش و خرم واپس آئی تھیں۔ واپس آتے ہی سائرہ باجی کی سرگرمیوں نے صبا کا موڈ غارت کر دیا۔ رشتہ کروانے والی کے روز چکر لگ رہے تھے۔ خاندان کی بزرگ خواتین سے بھی اس سلسلے میں بات ہوئی تھی۔ بات ہوتے ہوتے چچا جان کے گھر پہنچی تو انہوں نے بلا تاخیر اپنے بیٹے ثاقب کا رشتہ دے دیا۔

صمد اور ولید کے خیال میں صبا کے لیے ثاقب سے اچھا مل سکتا تھا۔ ولید ویسے بھی ابھی صبا کے رشتے کو قبل از وقت قرار دے رہا تھا لیکن امی جان کا خیال تھا کہ جب خاندان سے اچھا رشتہ مل رہا ہے، تو باہر رشتہ تلاش کرنے کا رسک کیوں لیا جائے۔ سائرہ باجی نے بھی انہیں ثاقب کے لیے ہموار کرنے کی پوری کوشش کی۔

"ثاقب پڑھا لکھا ہے۔ اپنا روزگار ہے، گھر بار ہے اور سب سے زیادہ اطمینان بخش بات یہ ہے کہ دیکھا بھالا اور قابل بھروسہ ہے۔ موٹر وے پولیس کے ملازموں کی تنخواہیں بھی اچھی ہیں۔" انہوں نے ثاقب کے اوصاف گنوائے۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ثاقب کی معاشی حالت اتنی مضبوط نہیں، ہم صبا کے لیے اس سے بہتر سوچ سکتے ہیں۔"

"یہ بات درست نہیں بیٹا! دولت سے خوشیاں اور سکھ نہیں خریدے جا سکتے۔ تمہارے والد صاحب جائیداد تھے لیکن میں نے ساری زندگی بیوگی کی چادر اوڑھے گزاری ہے۔ تم لوگ یتیمی کی کڑی دھوپ میں جلے ہو۔ دولت خوشیوں کی ضامن نہیں ہوتی۔ تم دونوں بھائی اچھی ملازمتوں پر ہو۔ احمد نے اچھی ڈگری لے لی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو معیار زندگی بنا لیا جائے۔" امی نے بڑے نرم انداز میں بیٹوں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے امی! جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" سدا کے فرمانبردار صمد بھائی جلدی سے بول اٹھے۔

"ابھی منگنی کر دیتے ہیں، شادی صبا کے ایم کے کر لینے کے بعد کریں گے۔" ولید نے رائے دی۔

سائرہ باجی اس بات پر مصلحتاً خاموش رہیں۔ منگنی کی خبر نے صبا کو حواس باختہ کر دیا۔ سمن البتہ بہت پر سکون تھی۔ اسے یقین تھا کہ معاذ ایک فراڈ ہے اور صبا سے فلرٹ کر رہا ہے۔ وہ شاپنگ کے لیے عائشہ بھابھی کے ساتھ بازار گئی تو صبا نے موقع پاتے ہی معاذ کو فون کیا۔

"معاذ! اگر آپ نے ابھی کچھ نہ کیا تو میرے گھر والے میری شادی چچا کے بیٹے سے کر دیں گے۔"

"تم منگنی ہو جانے دو، اس طرح ہمیں کچھ ٹائم مل جائے گا۔ منگنی کا کیا ہے، کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے، تب تک میں اپنی پوزیشن تھوڑی بہت کر لوں۔" معاذ نے ہمیشہ کی طرح طفل تسلی دی۔

"معاذ! خاندان کا معاملہ ہے۔ منگنی توڑنا اتنا آسان نہیں ہو گا۔ آپ معاملے کی سنگینی کو محسوس نہیں کر رہے۔" وہ جھلا گئی۔

"تم بہت معصوم ہے، منگنی تو کیا شادی توڑنا بھی مشکل نہیں۔ میں تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا، یہ تو طے ہے۔" معاذ بڑے شاطرانہ انداز میں منصوبہ بندی کر چکا تھا کہ اسے صبا کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔

"میرے حالات اچھے نہیں، کسی دوست سے ادھار لے کر تمہارے لیے موبائل لیا ہے تاکہ باآسانی بات ہو سکے۔ اب سوچ رہا ہوں، موبائل کس طرح بھیجوں؟"

"معاذ! اس وقت گھر میں صرف میں اور امی جان ہیں۔ سمن اور عائشہ بھابھی بازار گئی ہیں۔ سائرہ باجی اپنے گھر ہیں۔ آپ آجائیں، میں آپ کو کچھ پیسے دے دوں گی۔ میری پاکٹ منی میرے پاس جمع ہے۔"

"نہیں صبا! مجھے تم سے پیسے نہیں لینے۔"

"معاذ! غیروں جیسی باتیں مت کریں، آپ کے اور میرے پیسے الگ الگ نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" موبائل کے معاملے میں الجھ کر وہ وقتی طور پر منگنی کے ایشو کو بھول گئی اور پھر معاذ کی ہدایت پر اس نے منگنی پر کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا۔

صبا کی منگنی کی سب سے زیادہ خوشی سمن کو تھی۔ اس کے خیال میں صبا غلط راستے پر چلنے سے بچ گئی تھی۔ اس کی خوشی صبا کو عجیب چڑ میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس کے دل میں سمن کے لیے بہت غصہ تھا۔ اس کے خیال میں صبا کے پابند ہونے کی سب سے بڑی ذمہ دار سمن تھی۔

"تم کتنی خوش نصیب ہو صبا! اپنی ہی فیملی، دیکھے بھالے لوگ زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔ چچی کتنی اچھی ہیں، تمہارے تو عیش ہوں گے۔" صبا خاموشی سے سنتی رہی۔

"ثاقب بھائی کتنے اچھے ہیں، اتنے کیئرنگ اور جاب کے بعد زیادہ ہینڈسم ہو گئے ہیں۔"

سمن اس کی خاموشی محسوس کیے بغیر ثاقب کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

"وہ کیا کہتے ہیں، آپ میاں فضیحت دوسروں کے لیے میاں نصیحت۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں صبا نے بالکل غیر متوقع بات کہی۔ سمن چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب، اس بات کی کیا تک ہے؟"

"میری منگنی ہونے پر تم بہت خوش ہے اور سب سے زیادہ سرگرم بھی۔ تم بھی میری ہم عمر ہو، کیا تمہاری منگنی نہیں ہونی چاہیے؟" سمن چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی، وہ کوئی تلخ بات کہہ کر صبا کا موڈ مزید خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم سائرہ باجی سے کہہ کر میری منگنی کرا دو۔ حساب برابر۔"

سمن نے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینا چاہا۔

"سیدھی طرح کہو کہ تم مراعات یافتہ ہو۔ تمہارے سارے نظریات و اخلاقیات دوسروں کے لیے ہیں۔"

"صبا! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"یہی کہ ہمارے خاندانی نظام اور گھریلو سیٹ اپ میں کزنز کے ساتھ فرینک ہونا، لڑکوں سے دوستی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پھر صمد، ولید اور احمد بھائی سے تمہاری بے تکلفی کس کھاتے میں جاتی ہے۔ وہ تمہارے حقیقی بھائی نہیں ہیں۔"

"لیکن میں انہیں سگے بھائیوں سے بڑھ کر سمجھتی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ احمد سے بھی اس سلسلے میں رائے لے لو، وہ تمہیں کیا سمجھتا ہے لیکن کیوں بھئی، تم تو ہر ضابطہ

اخلاق سے ماورا اٹھہریں۔" صبا کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

سمن گنگ رہ گئی۔

"صبا! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہاری سوچ میں اتنی گراوٹ اور ذہن اس قدر آلودہ ہے۔" اس کی آواز دکھ اور تکلیف کے احساس سے لڑکھڑا گئی۔ "تم نے ایک پاکیزہ جذبے اور مقدس رشتوں کو ایک لمحے میں میلا کر ڈالا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں نے تمہاری بھلائی چاہی اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔" وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی۔ صبا نے طنزیہ ہنکارا ابھرا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سمن نے اپنی امی کو فون کیا اور چپکے چپکے پیکنگ کر لی۔ اس سے پہلے کہ صبا اپنے اندر کا زہر کسی اور کے سامنے انڈیلتی، اس نے باعزت طریقے سے یہاں سے چلے جانا مناسب سمجھا۔

***

"سمن! تم شروع سے یہاں رہ رہی ہو، اب کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے کہ تم نے واپسی کی رٹ لگا دی ہے۔" صمد بھائی، عائشہ بھابھی، خالہ امی سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے اور جس کی وجہ سے وہ جا رہی تھی، اس نے ایک بار جھوٹے منہ بھی رکنے کے لیے نہ کہا۔ سحاب اور عمارہ کی ضد تھی کہ وہ ان کے پاس رہے۔ احمد نے اس کی ہٹ دھرمی پر سخت سنائیں لیکن وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹی۔ احمد نے ولید کو بتایا تو وہ فورا فیصل آباد سے آ گیا۔ سمن ان کے لیے گھر کے فرد کی حیثیت رکھتی تھی۔ اب واپسی کے فیصلے نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ سمن ان سب کے رد عمل اور اصرار پر خجالت محسوس کر رہی تھی لیکن یہ بات طے تھی کہ

اسے واپس جانا ہے۔

"سمن! تم میرے ساتھ چلو، دونوں بہن بھائی مل کر مزے کریں گے۔ میں خود کھانا پکا پکا کر اور گھر صاف کر کے اکتا گیا ہوں۔" سمن بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ان سب مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک عدد بہن کی نہیں ایک عدد بیوی کی ضرورت ہے۔" باقی سب نے اس کی تائید کی۔ ولید نے خوشدلی سے مسکراتی ہوئی سمن کے کندھے پر بازو پھیلا کر اس کا سر اپنے کندھے سے ٹکا لیا۔

سمن ایک لاشعوری جھجک محسوس کر رہی تھی۔

"تو میری پیاری بہنا تم میرے لیے ایک عدد بیوی تلاش کرو نا۔ دلہن تلاش مہم شروع کرنے کے بجائے تم میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہو۔"

"لعنت ہو تم پر صبا! اتنے خوب صورت رشتوں کو شک اور حسد کی آگ میں لپیٹ رہی ہو۔" سمن کا دل تاسف سے بھر گیا۔

"اسی لیے سیالکوٹ جا رہی ہوں تاکہ میں وہاں سے مہم کا آغاز کروں۔ صبا، سائرہ باجی اور عائشہ باجی یہاں کوشش کریں گی بلکہ اس سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ خود ہی کسی مہ وش پری چہرہ کا انتخاب کریں اور ہماری ذمہ داری ختم کریں۔"

اس نے مذاق مذاق میں جتا دیا کہ اسے ہر حال میں واپس جانا ہے۔ ولید نے ایک دم ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھا اور کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔ سمن سر جھکا کر رہ گئی۔

***

سمن نے سیالکوٹ جا کر ایم اے میں داخلہ لے لیا۔

کلاسز شروع ہوئے تین چار ماہ ہو چکے تھے۔ جب صبا کی شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس دوران ولید کی منگنی ہو چکی تھی۔ ولید کے ساتھ ہی احمد اور سمن کا رشتہ طے کر دیا گیا۔ سمن کو اپنا واپسی کا فیصلہ بہت درست لگا کیونکہ صبا کا طنزیہ انداز اور کڑوی باتیں یہ ثابت کرنے کی کوشش میں تھیں کہ سمن کا احمد کے ساتھ زوردار افئیر تھا۔ حالانکہ صبا خود بھی اس بات سے واقف تھی کہ ایسا کچھ دونوں کے درمیان نہیں تھا۔

ثاقب کی امی کی طبیعت خراب تھی، ان کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ثاقب کی دو بہنیں تھیں اور دونوں شادی شدہ تھیں، اس لیے انہوں نے ثاقب کی شادی کے لیے کہا۔ صبا شادی کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی تھی لیکن صبا کو تعلیم ادھوری رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اصل مسئلہ اچانک شادی کا تھا۔

سمن کے چلے جانے کے بعد وہ بڑی آزادی کے ساتھ معاذ کے ساتھ ساری رات باتیں کرتی۔ معاذ کی جذباتی باتیں اور والہانہ انداز بری طرح اس کے حواس پر چھا چکے تھے۔ شادی کی بات پر اس نے فوراً معاذ سے رابطہ کیا تھا۔ وہ حسب معمول ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ در اصل اسے یقین تھا کہ صبا کے گھر والے کبھی معاذ کے رشتے کے لیے نہیں مانیں گے، اس لیے اس نے صبا کو پرپوز کرنا بیکار سمجھا تھا۔ صبا کو بیوقوف بنانے کا اس کا ایک اور طریقہ سوچ رکھا تھا اور معاذ کے خیال میں وہ وقت آیا ہی چاہتا تھا جب وہ صبا کو اپنے اشاروں پر چلا سکتا۔

صبا کے دو تین بار فون کرنے پر اس نے اپنا موبائل آف کر لیا تھا۔ صبا کی بے چینی عروج پر تھی۔ شادی کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

دن قریب آتے جا رہے تھے۔ معاذ کے فون نمبر کے علاوہ بھی اس سے گھر کا ایڈریس وغیرہ نہیں پوچھے تھا۔

معاذ خود بھی اسے لچھے دار باتوں میں الجھائے رکھتا تھا۔

صبا کی ذہنی ابتری حد سے بڑھ گئی تو معاذ کا بالآخر فون آ گیا۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے مردہ وجود میں جان پڑ گئی ہو۔ اس کی ذہنی کیفیت اس اسٹیج پر پہنچ چکی تھی کہ معاذ کے لئے اس سے کچھ بھی منوانا بے حد آسان ہو گیا۔

شادی میں صرف پانچ دن رہ گئے تھے، اس کے پاس دو راستے تھے۔ ایک صاف ستھرا باعزت زندگی گزارنے کا

جس کے لیے صرف نفس کو مغلوب کرنا تھا۔

دوسرا نفسانی خواہشات کے حصول کا راستہ، جو ذلت، رسوائی اور بے یقینی کا راستہ تھا، صرف نفس کی پیروی کا، یہ محبت کا راستہ نہیں تھا، کیونکہ محبت صرف خیر کا جذبہ ہے، اس میں صرف قربانی، برداشت اور پاکیزگی ہوتی ہے، محبت صرف جنس مخالف سے نہیں ہوتی۔ یہ رشتوں سے ہوتی ہے۔ راستوں سے ہوتی ہے، جن پر انسان چلے۔ ماں باپ سے ہوتی ہے، جو تخلیق کا باعث بنیں۔ بہن بھائیوں سے ہوتی ہے، جو زندگی کی لازمی اکائیاں ہوں۔

صرف ایک شخص کی محبت پر باقی ساری محبتیں قربان کرنا، یہ نفس کا راستہ کیونکہ اگر "محبت" ہو تو پلڑا اس طرف جھکتا ہے جہاں "محبتیں" ہوں۔

سمن شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد لاہور آ گئی تھی لیکن شادی کی مصروفیات اور کچھ صبا کے سرد رویے کی

وجہ سے وہ بہت کم اس کے پاس رہی تھی۔ گھر میں شادی کی رونقیں اتر آئی تھیں۔ عزیز رشتہ دار دوسرے شہروں سے آ گئے تھے۔ قریب رہنے والے عزیز دن کے وقت آ جاتے اور رات کو واپس چلے جاتے۔ خوب رونق لگی ہوئی تھی۔

بدھ کے دن مایوں کی رسم شروع ہوئی۔ پہلے تایا ابا کے گھر، باری باری ڈھولک رکھی گئی۔ انہوں نے ایک ایک دن کھانا پکایا تھا۔ ہفتے کو مہندی اور اتوار کو بارات آنا تھی۔

"صبا! یہ زیورات سنبھال لو، جیولر سے پالش کروائے ہیں۔ شام کو تم سے لوں گی۔ تم نے تو کمرے میں رہنا ہے، باقی سارے گھر میں افراتفری پھیلی ہوی ہے۔" عائشہ بھابھی اپنے زیورات کے ڈبے اسے تھما کر عجلت میں باہر نکل گئیں۔ صبا کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ اس نے بھابھی کا زیور ان تمام چیزوں کے ساتھ رکھا، جو وہ پہلے سے تیار کر چکی تھی۔ اس نے امی کی الماری کی چابی ان سے لے لی تھی، یہ کہہ کر کہ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں ہوتی ہے، اس لیے بوقت ضرورت چابی اس سے لی جا سکتی ہے۔ امی خود مہمانوں اور دوسرے معاملات میں بری طرح مصروف تھیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری صبا پر ڈال دی۔ مہندی والے روز اسے پارلر جانا تھا۔

"سمن! تم صبا کے ساتھ چلی جاؤ۔" عائشہ بھابھی پریشان تھیں کہ صبا کے ساتھ کسے بھیجیں۔ ایک ہی خاندان میں شادی ہونے کی وجہ سے زیادہ تر مہمان مشترکہ تھے۔ مہندی کا فنکشن ثاقب کے گھر ہونا تھا۔ ناشتہ کرتے ہی تمام لڑکیاں وہاں چلی گئی تھیں۔

"بھابھی! مجھے مہندی کا سامان ارینج کرنا ہے۔ آپ صبا کے ساتھ کسی اور کو بھیج دیں۔" سمن اپنے ہی مسئلے میں

الجھی ہوئی تھی۔ عائشہ بھابھی کسی اور کی تلاش میں چل پڑیں۔ سمن مہندی کے تھال وغیرہ سجا رہی تھی۔ اس کی مدد کے لیے صرف اس کی چھوٹی بہن ایمن اور سحاب تھیں۔ ابھی اسے خالہ امی، ولید اور احمد وغیرہ کے کپڑے بھی سلیکٹ کرنے تھے۔ سحاب اور عمارہ اپنی تیاری کے سلسلے میں اس کا سر کھا رہی تھیں۔ وقت بھاگتا جا رہا تھا، اسی بھاگ دوڑ میں شام ہو گئی۔

"سمن بیٹا! صبا کے کمرے سے میری الماری کی چابی لے آؤ۔ مجھے ولید کو پیسے دینے ہیں۔ شادی ہال کی بکنگ کی پیمنٹ کرنی ہے۔" آمنہ بیگم اس کے پاس کچن میں چلی آئیں۔ وہ عمر کے فیڈر میں دودھ ڈال رہی تھی۔

"خالہ امی! صبا ابھی نہیں آئی۔ میں کمرے میں چابی دیکھتی ہوں۔" وہ فیڈر عمر کو دے کر اسے گود میں اٹھائے صبا کے اور اپنے مشترکہ کمرے میں چلی آئی۔ عمر کو بیڈ پر لٹا کر اس نے الماری کی دراز میں چابیاں دیکھیں۔ چابیاں بالکل سامنے پڑی تھیں۔ وہ لے کر خالہ امی کے پاس چلی آئی۔ وہ کسی مہمان خاتون کے ساتھ مصروف تھیں۔

"سمن! الماری میں سے پیسے نکال کر ولید کو دے دو۔" سمن ان کے کمرے میں آئی تو ولید جھنجھلایا ہوا بیٹھا تھا۔ سمن نے دراز کھول کر اس میں ہاتھ مارا تو دراز یہاں سے وہاں تک خالی تھی۔ سمن کو کسی انہونی کا خیال سر تا پا ہلا گیا۔

"جلدی کرو سمن! میں لیٹ ہو رہا ہوں۔"

"ولید بھائی! دراز خالی ہے۔" وہ بمشکل بولی۔

"کیا؟" ولید چونک کر اس کے پاس چلا آیا۔ دراز سچ مچ خالی تھا۔

"جاؤامی سے پوچھو، کہیں اور رکھ دیے ہوں گے۔ ہوٹل منیجر کے دو فون آچکے ہیں۔ مجھے اور بھی کئی کام ہیں۔" وہ کافی عجلت میں تھا۔ وہ خالہ امی کے پاس بھاگی۔

"صبا کی الماری دیکھو، ہو سکتا ہے اس نے تمام چیزیں اپنی الماری میں رکھ لی ہوں تاکہ بار بار میری الماری میں سے لینے کے لیے میرے کمرے میں نہ جانا پڑے۔"

وہ اطمینان سے کہہ کر مہمان خاتون سے پھر گفتگو میں مصروف ہو گئیں۔ سمن نے کمرے میں آکر ایک ایک دراز چھان ماری۔ اس کا دل انجانے خدشات سے دھڑک رہا تھا۔ الماری کے تمام خفیہ خانے خالی تھے۔ سمن نے بھی صبح دیکھا تھا۔ دراز میں صبا کے زیورات کے علاوہ بھابھی کے زیورات اور کئی قیمتی چیزیں تھیں۔ ولید کی منگنی کی ڈائمنڈ رنگ، راڈو کی گھڑی، ثاقب کے لیے قیمتی گھڑی، چچی جان اور دونوں بہنوں کو پہنانی میں دینے کے لیے کڑے اور لاکٹ سیٹ۔ صبا کو ولید کے سسرال نے ڈائمنڈ رنگ اور ائیر رنگ پہنائے تھے۔ خالہ امی کے ہاتھ میں صرف ایک کڑا تھا۔ ان کے زیورات، سب پیسہ، الماری میں کچھ نہیں تھا۔ سمن کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اسے بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بے جان سے انداز میں فرش پر ڈھے گئی۔ مسجد میں مغرب کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

"سمن! سو گئی ہو؟" ولید کی جھنجھلاہٹ بھری آواز پر وہ ہوش میں آئی۔ تیزی سے اٹھ کر دروازہ اور کھڑکی بند کر دی، جیسے بہت کچھ چھپانا چاہتی ہو۔ کسی طوفان کو روک دینا چاہتی ہو۔

"ولید بھائی! صبا کو پارلر سے لینے کوئی گیا ہے یا نہیں؟"

"احمد گیا ہے، تم مجھے پیسے کیوں نہیں دے رہیں؟"

"آپ احمد کو فون کریں، وہ ابھی تک پہنچا کیوں نہیں۔" سمن نے ولید کی بات نظرانداز کر دی۔ ولید الجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سمن نے بے صبری سے ولید کی جیب سے موبائل فون نکالا اور خود ہی احمد کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ولید بھائی! صبا پارلر میں نہیں ہے۔ شاید وہ کسی ٹیکسی سے گھر چلی گئی ہے۔ میں واپس آرہا ہوں، بس پہنچنے والا ہوں۔" احمد نے دوسری طرف سے آواز سنے بغیر بات شروع کی۔ موبائل سمن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"کیا ہوا سمن؟" ولید نے اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا۔ سمن کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا، اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔

"سمن بتاؤ، احمد تو ٹھیک ہے؟" ولید نے زمین پر پڑے موبائل کو دیکھا۔

"کچھ ٹھیک نہیں، کچھ ٹھیک نہیں رہا۔ صبا! ولید بھائی۔۔۔ صبا۔۔۔"

اس کے لبوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

"کیا ہوا صبا کو۔" ولید نے اسے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔

"صبا۔۔ مر۔۔۔ گئی۔۔" وہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ولید تیزی سے باہر بھاگا۔ ابھی وہ گیٹ تک پہنچا تھا جب احمد گاڑی سے نکلا۔

"احمد! صبا کہاں ہے؟" وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا صبا پارلر میں نہیں ہے، شاید ٹیکسی لے کر آگئی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ سے

بات ہوئی تھی۔ کیا صبا ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔"

"نہیں۔" ولید کو اپنی آواز کسی اندھے غار میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ تیزی سے پلٹ کر سمن کے پاس آیا۔ احمد اس کے ساتھ تھا۔ سمن بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" احمد اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔

"کچھ نہیں، تم صبا کے موبائل پر کال کرو۔"

"اس کے پاس موبائل نہیں ہے؟"

"اس کے ساتھ کون گیا تھا؟"

"میں چھوڑ کر آیا تھا، اکیلی ہی تھی۔ مہندی وغیرہ لگوانی تھی۔"

"پارلر کی انتظامیہ نے کیا بتایا، کیا وہ وہاں پہنچی تھی؟" ولید بہت ضبط سے کام لے رہا تھا۔

"میں نے یہ تو نہیں پوچھا، میں خود اسے وہاں چھوڑ کر آیا تھا۔ ہاں پارلر والوں نے یہ بتایا کہ صبا وہاں نہیں ہے۔ سمن کو کیا ہوا ہے؟"

"تم سائرہ باجی اور صمد بھائی کو یہاں بلا لاؤ، میں سمن کو دیکھتا ہوں۔" ولید نے احمد کو بازو سے پکڑ کر باہر دھکیلا۔ اور سمن کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

کچھ دیر بعد سمن نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے نا سمجھی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کچھ دیر پہلے والی صورت حال یاد آنے پر پھر رونے لگی۔

"کول ڈاؤن سمن! پریشان مت ہو۔ ہو سکتا ہے صبا کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہو یا کچھ۔۔۔" ولید نے سمن سے

زیادہ خود کو تسلی دی۔

"حادثہ اس کے ساتھ نہیں، ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ لٹ چکے ہیں ہم، کچھ نہیں رہا ہمارے پاس۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"صبا ہمیں لوٹ کر لے گئی ہے۔ ہمارا اعتبار، عزت، مان سب کچھ۔"

"سمن پلیز ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

"ایسا ہوا ہے۔ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے۔" اس نے آنکھوں سے بہتے سیلاب کو دونوں ہاتھوں سے رگڑا۔

"وہ پلاننگ کے ساتھ گئی ہے، اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ وہ سارے گھر کے زیورات، پیسہ سب کچھ لے کر گئی ہے۔ الماریاں خالی ہیں، تالے کھلے ہوئے ہیں، اس نے ہم سب پر شب خون مارا ہے۔ ہماری سب سے قیمتی چیز، ہماری عزت لے گئی ہے۔"

سائرہ باجی، عائشہ بھابھی اور صمد کمرے میں داخل ہوئے۔ سمن کی گریہ وزاری دیکھ کر وہ مزید پریشان ہو گئے۔

"کیا ہوا ہے؟" صمد بھائی اپنی فطری سادگی سے بولے۔

"صبا ابھی تک گھر نہیں پہنچی، عشا کی اذان ہو رہی ہے۔"

صحن سے آتی ڈھولک کی آواز اسے اپنے کان پھاڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر تھاپ ولید کو اپنے دل پر پڑتی

محسوس ہونے لگی۔ ولید کی بات سن کر سائرہ متوحش رہ گئیں۔

"وہ سارا زیور، نقدی وغیرہ لے کر گئی ہے اور پارلر میں نہیں ہے۔" ولید کا انداز مشینی تھا۔ صمد بھائی اور سائرہ باجی بیڈ پر ڈھے گئے۔ احمد کو اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" صمد بھائی کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"یہ ہو چکا ہے، اب فیس کرنے کی باری ہے۔" ولید نے سینے میں اٹھتے درد کو لب بھینچ کر برداشت کیا۔ عائشہ بھابھی اور سائرہ سسک رہی تھیں۔

"اب کیا ہوگا؟" صمد بھائی بری طرح خوفزدہ ہو گئے۔ اتنے خوفزدہ وہ اس وقت بھی نہیں ہوئے تھے، جب سولہ سال کی عمر میں باپ کا جنازہ اٹھایا تھا۔

"جاؤ سمن! سب کو بتاؤ، سب کو بتاؤ کہ ہم لٹ چکے ہیں۔ ویسے ہی بتاؤ، جیسے مجھے بتایا تھا۔" سوا چھ فٹ کا بھرپور مرد دھان پان سی سمن کے کندھے پر سر رکھے بلک رہا تھا۔ صمد بھائی کا ضبط بھی جواب دے گیا، جبکہ احمد کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔

"وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟" اس نے بھینچی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"معاذ کے ساتھ۔"

"کون معاذ؟" احمد چیخ اٹھا۔ سمن اپنے اوپر اختیار کھو چکی تھی۔ اس نے ساری بات بتا دی۔ اب کچھ بھی چھپانا بیکار تھا۔

"میں صبا اور معاذ دونوں کو زمین میں گاڑ دوں گا، بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے ہمیں زندہ درگور کیا ہے۔"

ولید کا نرم ہموار لہجہ کہیں کھو چکا تھا۔ اس کی شریانوں میں لاوا دوڑ رہا تھا، جس کی تپش اس کے وجود کو خاکستر کر رہی تھی۔

خاندان کے سرکردہ بزرگ جمع ہو چکے تھے۔ دونوں گھروں میں ایک سوگ کی کیفیت طاری تھی۔ کچھ بے یقینی کی لپیٹ میں تھے، کچھ عزت وقار کو پہنچنے والے ناقابل تلافی نقصان پر رنجور تھے۔ دو گھروں میں گونجتی شہنائی کی آواز دکھ، بے بسی اور ذلت کے نوحوں میں بدل گئی تھی۔ گھر میں جمع مہمانوں کا ردعمل بھانت بھانت تھا۔

"یقیناً گھر میں سب کو خبر تھی۔" کوئی دل جلا تبصرہ کرتا۔

"اسی لیے شادی میں اتنی مچائی دو بڑے بھائیوں کو چھوڑ کر۔" دوسرے کی تائید۔

"بھلا اس طرح کی باتیں چھپتی ہیں۔"

"جب سر پر باپ کا سایہ نہ ہو تو اولاد یونہی بے مہار ہو جاتی ہے۔"

اس قابل رحم صورت حال میں بھی نقاد اپنے دلخراش تجزیے پیش کر رہے تھے۔

"ارے تین بھائی ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک جوان۔ ساتھ ساتھ کھڑے ہوں تو دیوار کا گمان ہو۔ بالشت بھر کی لڑکی نہ سنبھالی گئی۔"

"کرموں جلی بدنصیب تھی، ناقدری نکلی۔ ماں اور بھائیوں کی قربانیوں کا یہ صلہ دیا۔"

"بھائیوں کا معیار بلند ہو گیا۔ بہن نے بھی کسی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہوگا۔" اب ولید کی خاندان سے باہر ہونے والی منگنی کو نشانہ بنایا گیا۔

خواتین کی زبانیں نہیں رک رہی تھیں، آوازیں۔۔۔آوازیں۔۔۔

باہر لڑکے مل کر شامیانے سمیٹ رہے تھے۔ آرائشی بتیاں دونوں گھروں کی دیواروں سے اتاری جا رہی تھیں۔ ثاقب شام سے گھر سے غائب تھا، بہت سوں کو اس کی فکر تھی۔

"اسی لیے لوگ بیٹیوں کی پیدائش پر روتے ہیں۔ بھائی کی ساری ریاضتوں کو مٹی میں ملا دیا۔"

"بڑا المیہ سفر طے کر کے آمنہ کے بیٹوں نے عزت بنائی تھی۔ آمنہ نے بھی آخری عمر میں سکھ دیکھا۔ مگر چار دن راس نہ آیا۔" سعدیہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رو رہی تھیں۔

"صمد نے باپ بن کر پالا تھا۔ ماں با کردار، نسب بلند تھا۔ بس قسمت میں یہ وار لکھا تھا۔" عائشہ بھابھی کی امی رنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

آوازیں ایسے گونج رہی تھیں جیسے غلام گردش میں ابھرنے والی چیخ۔ وہ اذیت بھری رات بہت لمبی ہو گئی تھی، گزر ہی نہیں رہی تھی۔

جنہیں سچ مچ صدمہ تھا، وہ اتنے نڈھال تھے کہ ایک دوسرے کو تسلی دینے کی سکت نہ رہے تھے اور جن کے دلوں میں رقابت تھی، انہوں نے زبان کے نشتر چلا چلا کر رات کی سیاہی اور طوالت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

***

صبح ہوتے ہی ولید کے سسرال والے آئے اور منگنی کی انگوٹھی واپس کر گئے۔ اس طرح کی رسوائی سات

نسلوں کا پیچھا کرتی ہے۔ وقت اگر گرد ڈال بھی دے، تو لوگ جھاڑ پونچھ کر چمکا دیتے ہیں۔

"ریپوٹیشن کا مسئلہ ہے۔ خاندان کی باقی لڑکیوں کے لئے آئندہ بہت سے مسائل ہو سکتے ہیں. جو اپنی بہن کو نہ سنبھال سکے، وہ پرائی بیٹیوں کو کیا تحفظ دیں گے۔" ایک ایک لفظ ولید کے دل میں ترازو ہو گیا۔

"جو اپنی بہن کو نہ سنبھال سکے، پرائی بیٹیوں کو۔۔۔ کیا تحفظ دیں گے۔۔۔ کیا تحفظ دیں گے۔۔۔ اپنے بہن نہ سنبھال سکے۔" ولید زرد چہرہ لیے لب کاٹتے ہوئے سینے میں اٹھتی لہروں کو جذب کر رہا تھا۔

"رسوائی کے یہ داغ تمہارے خون سے دھلیں گے صبا! یہ بات طے ہوئی۔ میں جب تک تمہیں تہہ خاک نہیں کر لیتا، میری سانسیں مجھ پر قرض ہیں اور یہ قرض میں بہت جلد چکاؤں گا۔"

تمام ممکنہ جگہوں پر جہاں ان دونوں کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا، ولید نے پانی کی طرح پیسے بہاتے ہوئے رابطے پیدا کر لیے تھے۔ تمام چچا تایا تعاون کر رہے تھے۔ ولید نے اس سلسلے میں لینڈ مافیا کی بھی خدمات حاصل کی تھیں۔ اسے صرف ایک جنون تھا، صبا اور معاذ کو عبرت ناک انجام سے دوچار کرنا اور اس مقصد کے لیے ولید اور احمد دربدر خوار ہوئے پھر رہے تھے اور اسی دربدری میں ولید کو زندگی کی طرف سے ملی ہوئی مہلت پوری ہو گئی۔ یہ خالصتاً خدائی امر تھا لیکن ولید کے دل کے دورے کو صبا کے گناہوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔

ولید کی موت کی وجہ صبا ٹھہرائی جا رہی تھی اور احمد کا ارادہ مزید راسخ ہو گیا تھا۔ اسے اپنی توہین اور رسوائی کے ساتھ ساتھ ولید کی موت کا بدلہ بھی لینا تھا۔

***

اسکے جنون پر بند باندھنے کے لیے اس کا نکاح زبردستی سمن کے ساتھ کر دیا گیا تھا، جو اس کی خالہ زاد کزن اور منگیتر تھی۔ اپنی فطری جبلت اور عورت کی قدرتی کشش کے باعث وہ سمن کی طرف متوجہ ہو جاتا لیکن اندر جمی ہوئی برف اور بے حسی کسی طور کم نہ ہوئی تھی۔

اسی رات اس نے صمد بھائی کو مختصر کال کی اور اپنی دو دن بعد واپسی کا بتا کر فون بند کر دیا۔ سب کی رکی ہوئی سانسیں کسی حد تک بحال ہوئی تھیں۔ اس کی واپس سے گھر میں چھایا ہوا سناٹا تو ختم ہو گیا لیکن احمد کے پراسرار معمالات اور چپ سب کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

آفس سے آ کر وہ کمپیوٹر کے سامنے جما رہتا یا پھر موبائل فون پر مصروف رہتا۔ اس کا کھانا پینا، نیند سارے معمولات بری طرح متاثر ہوئے تھے لیکن کسی کے کہے سنے کا کوئی اثر نہ تھا۔

بے رنگ سے روز و شب میں ہلکی سے ہلچل سمن کی امی کی آمد سے ہوئی۔ وہ سمن کو لینے آئی تھیں۔ سمن بچپن سے خالہ کے گھر رہ رہی تھی۔ صبا اور وہ دونوں ہم عمر تھیں۔ گریجویشن کرنے کے بعد سمن واپس اپنے گھر چلی گئی تھی۔ ماسٹرز اس نے وہیں سے کیا تھا لیکن تعلیمی مصروفیت میں ذرا سا وقت ملنے پر وہ فوراً خالہ کے پاس چلی آتی۔ اسے اپنا اصل گھر وہی لگتا تھا اور ماں جیسی مہربان خالہ اسے ماں کی کمی ہی محسوس نہ ہونے دیتیں۔ اسی بے تکلفی کی وجہ سے نکاح کے باوجود وہ رخصتی سے پہلے خالہ کے گھر رہنے چلی آئی تھی، ورنہ اس کے ابو کو کافی اعتراض

تھا لیکن صمد بھائی نے انہیں یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ سمن کا میکہ وہ گھر ہے، سسرال تو ہے ہی نہیں۔ اسے آئے ہوئے کتنے ہی دن ہو گئے تھے، اس لیے سعدیہ اسے لینے آئی تھیں۔

"سمن بیٹا! پیکنگ کر لو، ہمیں صبح ذرا جلدی نکلنا ہو گیا۔ علی (سمن کا بھائی) کے پیپر ہو رہے ہیں۔ ایمن کے لیے گھر سنبھالنا مشکل ہو گا۔"

"جی امی! میں کر لوں گی۔" سمن نے چائے کے کپ ٹرے میں سے نکال کر امی اور خالہ کے سامنے رکھے اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"سعدیہ! ابھی سمن کو یہیں رہنے دو، مجھے اس کی موجودگی سے بہت آسرا ہے۔ عائشہ کے بارے میں تم جانتی ہو، کبھی میرے ساتھ غیر ضروری بات نہیں کرتی۔ دکھ سکھ تو دور کی بات ہے، ان حالات میں اکیلی میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ بے چارگی سے چھوٹی بہن سے کہہ رہی تھیں۔

"آپا! آپ کو نہیں پتہ، سمن کے ابو سخت خفا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سمن کو گھر میں رکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو سمن کو رخصت کروا کر لے جائیں۔ مجھے تو گھر کے حالات کا پتہ ہے، اس لیے انہیں ٹالتی رہتی ہوں۔ آپ احمد کو سمجھائیں، وہ اپنی ضد چھوڑ دے اور رخصتی کروا لائے۔ میرے لیے اب سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔"

"سائرہ! تمہاری بات تو وہ سنتا ہے، تم ہی سمجھاؤ۔"

"خالہ جان! جس طرح کے حالات چل رہے ہیں، ایسے میں کسی کا سمجھانا کام نہیں آ رہا، وہ کسی کی نہیں سنتا۔ امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سمن کو ابھی یہیں چھوڑ جائیں، میں بڑی کوشش بھی کروں تو زیادہ دیر امی کے پاس نہیں رک سکتی۔ اپنے گھر کے جھنجھٹ۔۔۔۔ پھر بھابھی کو بھی میری ہر وقت کی آمد شاید ناگوار گزرتی ہو۔ کیا فائدہ منہ سے کہلوانے کا۔"

"یہ خدشہ مجھے ہے۔ عائشہ، سمن کی یہاں موجودگی پتہ نہیں کن معنوں میں لے۔"

"کن معنوں میں لینا ہے انہوں نے؟ جب سے سمن آئی ہے، سارے گھر کی ذمہ داری اس پر ہے۔ انہیں سیر سپاٹے اور بازار، میکے کے چکروں سے فرصت نہیں۔ ہم مجبوراً خاموش ہیں۔ احمد ساتھ دے، تو ہم کیوں ان کا منہ دیکھیں۔ گھر میں اتنی ٹینشن ہے، انہیں کوئی پرواہ نہیں۔ بس اپنی فکر ہے۔" سائرہ عموماً ہر ایک کے بارے میں مثبت سوچ رکھتی تھیں لیکن اس وقت حالات نے انہیں بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں سمن کے ابو سے کیا کہوں گی؟" خالہ اپنی جگہ پریشان تھیں۔

"انہیں کہیے گا، بس چند دن کی بات ہے۔ میں احمد کو منانے کی کوشش کرتی ہوں۔ سمن کی رخصتی ہو جائے تو امی اور احمد دونوں کی فکر ختم ہو۔ سمن، احمد کو ہینڈل کر سکتی ہے۔ مسئلہ بس ان فرسودہ معاشرتی رسموں کا ہے۔" وہ سخت جھنجھلائی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے، میں چند دن ٹھہر کر سمن کے ابو کو بھیجوں گی۔" سعدیہ بادل ناخواستہ مان گئیں۔

"باجی! مجھے امی کے ساتھ چلے جانا چاہیے۔" سمن اپنی اور سائرہ کی چائے لے کر صحن میں آ گئی۔

"کیوں، تھک گئی ہو یا اکتا گئی ہو؟" سائرہ نے جانچنے کی کوشش کی۔

"نہ تھکی ہوں، نہ اکتائی ہوں لیکن یہ سب مجھے بہت مشکل لگ رہا ہے۔ اپنی سطح سے نیچے آ کر کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش۔ میں احمد کی ذہنی کیفیت سے واقف ہوں، اسی لیے میں خود پر جبر کر کے یہاں چلی آئی لیکن مجھے بہت آکورڈ فیل ہوتا ہے یہ سب۔" وہ طویل سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

"تمہیں آکورڈ فیل ہوتا ہے۔ احمد تمہارا شوہر ہے، نکاح ہو چکا ہے تم دونوں کا اور اصل چیز تو نکاح ہے۔ باقی رخصتی وغیرہ تو ہماری رسمیں اور رواج ہیں۔" انہوں نے اپنی طرف سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"لیکن ان مروجہ اصولوں سے انحراف الزام بن جاتا ہے باجی! پہلے تو عائشہ بھابھی کا رویہ ٹھیک تھا لیکن اب مجھے بڑا عجیب لگتا ہے، ان کی جانچتی نگاہیں، پرسوچ انداز، پتہ نہیں کیا کھوجتی رہتی ہیں۔ میں خود سے شرمندہ پھرتی ہوں۔ صرف خالہ امی کی وجہ سے ورنہ۔۔۔۔ میں ایک منٹ بھی یہاں نہ رکوں۔"

"سمن! یہ تمہارا گھر ہے بچے، یوں حوصلہ مت ہارو۔ مجھے اور امی کو تم سے بڑی امیدیں ہیں۔ احمد کو واپس لانے کا واحد راستہ خدا کے بعد تم ہی دکھائی دیتی ہو۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے، صرف حالات کے تھپیڑوں نے اس محبت پر

گرد ڈال دی ہے۔ تم وہ گرد صاف کر ڈالو، اسے اعتبار واپس دلاؤ۔ یہ تمہارے اور ہم سب کے لیے بہت ضروری ہے۔ میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ یہ ذمہ داری میں تم پر ڈال رہی ہوں۔" سائرہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"صبا کے اعمال ہمیں بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ امی کی اور میری اس گھر میں وہ پوزیشن نہیں رہی، جو پہلے تھی۔ میں خود جھجک کر یہاں آتی ہوں لیکن امی اور احمد کی مجبوری ہے۔ وہ یہیں رہتے ہیں۔ یہ عائشہ بھابھی کا ظرف ہے کہ انہوں نے حالات کی نزاکت کا اپنے لیے استعمال کر ڈالا۔ صمد بھائی پہلے ہی ڈپریسڈ ہیں، انہیں بندہ کیا مجبور کرے۔ تمہارے آنے سے امی پھر سے جی اٹھی ہیں۔ تمہاری توجہ اور محبت انہیں صبا کا دیا ہوا دکھ بھلانے میں مدد دے رہی ہے ورنہ احمد کا جارحانہ رویہ اور عائشہ کی سرد مہری انہیں اندر ہی اندر گھلا رہی تھی۔

تم نے دیکھا ہو گا کہ بچوں کو بھی امی کے پاس کم ہی آنے دیتی ہیں۔ گھر کی ساری ذمہ داری تم پر ڈال دی اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہم انہیں یہ سب جتا بھی نہیں سکتے۔ ساری مصلحتیں اس وقت تمہارے کھاتے میں

آپڑی ہیں لیکن مجھے یقین ہے یہ کٹھن وقت بہت جلد گزر جائے گا۔" وہ چائے پینے کے بعد سمن کا سر گود میں رکھ کر اس کے بال سہلا رہی تھیں۔

"باجی! آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھے شادی کی کوئی جلدی ہے لیکن اگر رخصتی ہو جائے تو میں بہتر پوزیشن میں آجاؤں گی۔ کم از کم معاشرتی دباؤ تو ختم ہو گا بے شک احمد مجھے۔۔۔۔" وہ جھجک کا خاموش ہو گئی۔

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں اور تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔ میں مسلسل احمد پر دباؤ ڈال رہی ہوں کہ وہ رخصتی کے لیے مان جائے۔ امی کے حوالے سے اسے بلیک میل ہی سمجھو کر رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ مسئلہ جلد ہی حل ہو جائے گا۔ اصل میں زبردستی احمد سے کچھ بھی منوانا بہت مشکل ہے۔ میں تو شکر کر رہی ہوں کہ نکاح آسانی سے ہو گیا۔ یہ صرف اللہ کا کرم ہے ورنہ میں تو مایوس ہو چکی تھی۔ اللہ نے ہی احمد کے دل کو نرم کیا، نہیں تو وہ بالکل ہی آؤٹ ہو چکا تھا۔"

"سائرہ! اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو تم لوگ۔ چلو کمرے میں۔" سعدیہ خالہ نے کافی دیر سے انہیں غائب پایا تو ان کے پیچھے چلی آئیں۔

"جی خالہ! بس آرہے ہیں۔" سائرہ نے کہا تو سمن نے کپ ٹرے میں رکھے اور اندر کی طرف چل دی۔

"اگر سائرہ باجی نہ ہوں تو اس گھر میں زندگی کچھ اور بھی مشکل سے دوچار ہو جائے۔" سمن تشکر کے احساس تلے سوچتی ہوئی کچن میں آگئی۔

* * *

"سحاب! سمن کو میرے پاس بھیجو۔" آفس سے آتے ہی وہ سیدھا اوپر آیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سمن کمرے

میں داخل ہوئی۔ اس نے ایپل شیک کا جگ اور گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے تھامنے کے بجائے خشونت سے اسے گھور رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟" سمن نے جھنجھلا کر ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور گلاس میں شیک ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"خالہ جان کہاں ہیں؟" اس نے گلاس نظر انداز کر کے انتہائی سرد لہجے میں پوچھا۔

"چلی گئیں۔۔"

"اور تم۔۔۔؟"

"میں بھی چلی گئی۔۔" بے ساختہ مسکرائی۔

"کیا جال پھیلانا چاہ رہی ہو۔ ان عنایات سے کیا مطلب ہے؟" وہ سرد لہجے میں چبا چبا کر بولا۔ سمن نے ٹھٹک کر اسے دیکھا، پھر اپنے بڑھے ہوئے ہاتھ کو۔

"بہت مختصر پرواز ہے تمہاری۔ شیک کے چند گلاس، وہ بھی تمہارے ہی گھر میں بنے ہوئے "عنایات" ہونے لگے۔" اس نے سنبھل کر کہتے ہوئے گلاس بھی ٹیبل پر رکھا۔

"ہاں میری پرواز تو مختصر ہے۔ تم اپنی عنایات ہی بڑھا دو۔"

سمن کا زرد چہرہ دیکھے بغیر وہ اسی درشتی سے کہہ رہا تھا۔

"زہر لگ رہی ہیں مجھے تمہاری یہ تھرڈ کلاس حرکتیں۔ تم یہاں سے اپنا بستر گول کرو۔" وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ سمن پلکیں جھپکائے بغیر بے حس و حرکت اسے دیکھ رہی تھی۔

"بہت دکھ دیا تم نے احمد! کاش یہ سب کہنے کے بجائے تم مجھے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دیتے۔ میری نسوانیت کی یوں تذلیل نہ کرتے۔ کون سی تھرڈ کلاس حرکتیں دیکھ لیں تم نے میری۔ کب ناز و ادا کے جال پھیلائے میں نے۔ ان سارے دنوں میں جتنی بار میں تمہارے کمرے میں آئی ہوں، انگلیوں پر گن سکتی ہوں پھر بھی۔۔۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

مارے دکھ اور بے یقینی کے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ آنکھیں بڑی تیزی سے چھلکیں اور گالوں پر رستے بن گئے اور اسی تیزی سے پلٹ کر وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ احمد بے حس و حرکت بیٹھا رہ گیا۔ اپنے لفظوں کی سفاکی اور رویے کی سنگینی کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ شدید پشیمانی اور تاسف نے بری طرح اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اوہ میرے خدا!" بری طرح جھلایا ہوا وہ کمرے میں چکرا رہا تھا۔

ٹھنڈے ملک شیک کے جگ اور گلاس سے پسینے کے قطرے ٹیبل کی سطح پر دائرہ سا بنا رہے تھے۔ اس نے ٹیبل پر پڑی "عنایات" کو دیکھا اور بے ساختہ بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

* * *

اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوتے ہی وہ معذرت کا موقع تلاش کر رہا تھا لیکن پچھلے دو دن سے سمن سے سامنا نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ کچن میں محدود ہو گئی تھی۔ کچن سے نکلتی، تو بیڈ روم میں بند ہو جاتی۔ اس کی کھلکھلاہٹیں اور چہکار سب ندارد تھا۔ محض اس سے بات کرنے کے لیے وہ پچھلے دو دن سے آفس سے سیدھا گھر آ رہا تھا۔ وہ اسے تلاشتا ہوا امی کے کمرے کی طرف آیا لیکن اسے وہاں نہ پا کر سیدھا کچن میں داخل ہو گیا۔

جب ہی اپنے دھیان میں آتی سمن بری طرح اس سے ٹکرائی۔ احمد نے کندھوں سے تھام کر اسے گرنے سے بچایا۔ راستہ چھوڑنے کے بجائے وہ اسے کندھوں سے تھامے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

"ہوش میں رہو۔" سمن نے سختی سے کہتے ہوئے اپنے کندھوں سے اس کا ہاتھ جھٹکے۔

"ہوش میں رہنے کا صرف ایک طریقہ ہے۔" کہتے ہوئے اس نے جھک کر سمن کی پیشانی چوم لی۔ سمن کانپ کر پیچھے ہٹتے ہوئے شیلف سے جا لگی۔

"کیپ یور لمٹس۔" اس کا لہجہ متزلزل تھا۔

"اپنی لمٹس بتانے کے لیے کچن مناسب جگہ نہیں ہے۔ بیڈ روم میں چلو، تمہیں اپنی لمٹس بتاؤں۔ ویسے تم سر سے پاؤں تک میری لمٹس میں شامل ہو۔" وہ بڑی فرصت سے سرتاپا اسے دیکھ رہا تھا۔ سمن فق پڑ گئی۔

"تم۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو؟" وہ بے ترتیب لہجے میں بولی۔

"میں نے بتایا نا، ہوش میں آنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ آزماؤں؟" وہ دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔ سمن کو مختصر سے کچن میں جائے فرار نہ ملی۔ احمد خود دروازے میں ایستادہ تھا۔ سمن کی جان جانے لگی۔

"پھپھو! دادو بلا رہی ہیں۔" سحاب اسے آوازیں دیتی ہوئی چلی آئی۔

"میں تمہاری چچی کو ہی بلانے آیا تھا، یہاں باتوں میں لگ گیا۔" احمد نے "چچی" پر خصوصی زور دیا۔ سحاب سر ہلاتے ہوئے واپس چلی گئی۔

سمن سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ احمد نے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ پھر جیسے اس کی حالت پر ترس آ گیا۔ وہ گہری سانس بھر کر پلٹ گیا۔

"سائرہ باجی! صمد بھائی سے کہیں مجھے گھر چھوڑ آئیں۔" سمن اسی وقت سب چھوڑ چھاڑ کر سائرہ کے گھر چلی گئی۔

"کیوں خیریت؟" سائرہ بہت مطمئن تھیں۔

"بس اب مجھے جانا چاہیے۔" وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"لگتا ہے احمد زیادہ ہی تنگ کرنے لگا ہے تمہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس دیں۔ سمن کا چہرہ سرخ ہو کر دہکنے لگا۔ وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھیں۔

"پتہ ہے کل احمد بھی میرے پاس آیا تھا۔ کہہ رہا تھا سمن کو واپس چھوڑ آئیں یا باقاعدہ رخصت کروا لائیں۔ اس طرح اس کا یہاں رہنا مناسب نہیں، کچھ سمجھیں۔" انہوں نے معنی خیزی سے سمن کا سر ہلایا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں احمد اور رخصتی دونوں پر۔" وہ خلاف عادت بد تمیزی سے بولی۔ "میں نے اپنی سطح سے خود کو بہت نیچے گرایا ہے صرف احمد کی ذہنی حالت کے پیش نظر اور سب سے بڑی وجہ خالہ امی، لیکن احمد اگر اپنی فطری جبلت سے مجبور ہو کر مجھ سے کوئی فیور چاہے گا تو یہ ممکن نہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا۔"

وہ بہت بے بسی سے اپنی طرف سے محتاط لفظوں میں انہیں اپنا مسئلہ سمجھا رہی تھی۔

"سمن بچے! میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ دیکھو میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور مرد کی نفسیات تم سے بہتر سمجھتی ہوں۔ اصل میں تمہاری بے نیازی احمد کو پن کر رہی ہے۔ بیرونی محاذ کے ساتھ ساتھ تمہاری موجودگی بھی اس کے لیے آزمائش ہے۔ تم نے شاید نوٹ نہیں کیا، اس کی روٹین میں کافی تبدیلی آ گئی ہے۔

وہ اب دن کی روشنی میں ہی گھر لوٹ آتا ہے۔ امی کے ساتھ اس کا رویہ پہلے سے بہتر ہے۔ شاید تمہاری ڈانٹ کی وجہ سے یا پھر تمہارے طرز عمل کی وجہ سے۔ اصل میں وہ بالکل کمزور پڑ چکا ہے۔ میں ایک دو دن میں خالہ جان کو فون کرتی ہوں۔ صمد بھائی، میں اور امی تمہیں چھوڑنے جائیں گے اور رخصتی کی کوئی نزدیکی تاریخ رکھ آئیں گے۔"

سمن بے تاثر چہرے کے ساتھ ان کا تجزیہ اور تجویز سن رہی تھی۔

"میں بہر حال اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔ آپ پلیز خالہ امی سے بات کریں اور مجھے بے شک صبح ہی واپس چھوڑ آئیں۔ آپ کو نہیں پتہ احمد نے دو دن پہلے مجھے کیا کچھ سنایا تھا۔ یہ میری ڈھٹائی کی انتہا ہے کہ میں ابھی تک یہاں موجود ہوں اور میری کمزوری بھی کہ میں احمد کو حد سے زیادہ مارجن دے رہی ہوں۔"

وہ کافی رکھائی سے کہہ رہی تھی۔ سمن بہت تحمل اور برداشت کی مالک لڑکی تھی۔ یہ احمد کا رویہ تھا، جس نے اسے تلخ بنا دیا تھا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد سمن جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھر آ کر سیدھی کمرے میں گھسی اور دروازہ لاک کر لیا۔

رات کا کھانا ابھی پکنے والا تھا اور یہ ڈیوٹی یقیناً خالہ امی پر آ پڑتی لیکن وہ خود پر جبر کرتے ہوئے زبردستی اندر لیٹی رہی۔

"میرے جانے کے بعد بھی تو خالہ امی نے ہی پکانا ہے۔" اس نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے جواز تراشا۔ اپنے بکھرے اعصاب اور الجھے ذہن کو بہلاتے ہوئے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب وہ سو کر اٹھی، تو تقریباً رات کا ایک بج چکا تھا۔ وہ سر شام سوئی تھی۔ اب نیند ضرورت سے زیادہ لے چکی

تھی اور بھوک بھی لگ رہی تھی اس لیے دوپٹہ کھینچ کر کمرے سے باہر آئی۔ کچن میں آکر کھانا کھایا، پھر چائے کا مگ لے کر ٹیرس پر آگئی۔ ٹیرس کافی کھلا تھا۔ دو چار پائیاں اور چند کرسیاں ہمہ وقت وہاں پڑی رہتیں۔ وہ چائے لے کر ریلنگ کے پاس آگئی۔ ہر طرف گھور سناٹا اور تاریکی تھی۔ رات گئے موسم کافی سرد ہو چکا تھا لیکن اس کے تھکے ہوئے خوابیدہ اعصاب اور نیند سے بوجھل دماغ کو یہ ٹھنڈک بھلی لگ رہی تھی۔ چائے کے سپ لیتے ہوئے اس نے ریلنگ کے ساتھ ساتھ ٹہلنا شروع کر دیا۔ کافی دیر بعد اس شغل سے تھک کر وہ چارپائی کی طرف چلی آئی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

چارپائی پر بیٹھتے ہوئے وہ بری طرح ٹھٹک گئی۔ ساتھ والی چارپائی پر کوئی نیم دراز تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مگ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور چھناکے کی آواز سناٹے کو چیر گئی۔ مگ ٹوٹنے کی آواز سے سویا ہوا احمد سیدھا ہو بیٹھا اور اسے کھڑا دیکھ کر برافروختہ ہو گیا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" اس کی آواز سن کر سمن کے سن ہوتے اعصاب بحال ہوئے۔

"کیوں ہر وقت پیچھے پڑی رہتی ہو۔" وہ اب دھیمی آواز میں برس رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔"

"تمہاری ہمدردیاں اور سوکالڈ ریفارمز۔" وہ دانت پیستے ہوئے اس کی بات کاٹ کر غرایا۔ "کانٹوں پر تو پہلے گھسٹ رہا ہوں، اس تکلیف کو تو ارتکاز سے سہنے دو۔ کیوں آجاتی ہو بار بار میری توجہ بھٹکانے، میرا راستہ کھوٹا کرنے ہاں۔۔۔؟" وہ برہمی سے اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"بہت شوق ہے تمہیں میرے راستے سے کانٹے چننے کا، اذیت کے دہکتے دوزخ پر چھینٹے ڈالنے کا لیکن یاد رکھو

تم۔۔۔" اس نے لب بری طرح چبا ڈالے۔ سمن بے جان وجود کو گھسیٹ کر وہاں سے جانے سے قاصر تھی۔ اس کے قدم اٹھنے سے انکاری تھے۔ وہ اپنی بے بسی پر حیران کھڑی اسے سننے پر مجبور تھی۔

"تم ہو میری وحشتوں کی ساتھی، میری تیرہ شبوں میں چراغ روشن کرنے والی۔" اس کا لہجہ سفاک سرگوشی میں ڈھل گیا۔ اس نے بے دردی سے سمن کو بازو سے گھسیٹا اور ٹیرس کی طرف کھلنے والے اپنے بیڈروم کے دروازے کی طرف بڑھا۔ سمن نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن احمد کی وحشیانہ گرفت آہنی تھی۔

اس نے سمن کو لاکر بیڈ پر پٹخا اور پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بے یقینی کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے سمن نے مزاحمت کی آخری کوشش کی لیکن اس کی مزاحمت احمد کی سرکشی کی طغیانی میں ڈوبتی چلی گئی۔

* * *

آمنہ بیگم فجر کی نماز پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لیے باہر چلی آئیں۔ سیکنڈ فلور کے دو بیڈرومز کے دروازے ٹیرس پر کھلتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مرکزی دروازہ تھا، جو عام آمدورفت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا اور تیسرے بیڈروم کچن وغیرہ کے لیے یہی استعمال ہوتا تھا۔ صبح کی روشنی پھیل رہی تھی اور صبح کی ہوا کافی ٹھنڈی تھی۔ انہوں نے دوپٹہ اچھی طرح لپیٹا اور آگے بڑھیں۔ صبح ٹیرس پر واک کرنا ان کا معمول تھا۔ وہاں چارپائی پر انہوں نے سمن کو آڑا ترچھا پڑے دیکھا تو تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔ سمن بے سدھ پڑی تھی۔ اس کا وجود بخار کی حدت سے جھلس رہا تھا۔

"سمن!" انہوں نے پریشانی سے اس کا کندھا ہلایا۔ وہ اسی طرح بے خبر تھی۔

"سمن۔۔۔۔۔ احمد! باہر آؤ، سمن کو دیکھو۔" وہ حواس باختہ ہو گئیں۔۔ ایک دو آوازیں دینے کے بعد انہوں نے احمد کے کمرے کا دروازہ بری طرح پیٹ ڈالا۔ اندر ہنوز خاموشی تھی۔

شاید کہیں جا چکا ہو۔ اس کے بے وقت آنے جانے کا خیال آتے ہی وہ سیڑھیوں کی طرف دوڑیں۔ صمد بھائی اور عائشہ بھابھی لمحوں میں اوپر آ گئے تھے۔ آمنہ بیگم اب سمن کے ہاتھ سہلاتے ہوئے رو رہی تھیں۔

"عائشہ! ڈاکٹر کو فون کرو، میں سمن کو اندر لاتا ہوں۔" صمد بھائی نے اس کی نبض چیک کرتے ہوئے تیزی سے کہا اور بے ہوش پڑی سمن کو اٹھا کر کمرے میں لے آئے۔

"امی اسے کمبل اوڑھا دیں۔ باہر تو کافی سردی ہے۔ یہ باہر کیوں گئی؟"

"پتہ نہیں مغرب سے پہلے ہی کمرے میں بند تھی۔ میں سمجھی شاید تھک گئی ہے، سو گئی ہو گی۔ اس لیے جگایا نہیں۔ مجھے کیا پتا تھا اس کی طبیعت اتنی خراب ہے۔ بخار میں گھبراہٹ ہوئی ہو گی، اس لیے باہر آئی ہو گی۔"

انہوں نے لاعلمی میں اچھی خاصی کہانی ترتیب دے ڈالی۔

"میری بچی میرے پاس آ جاتیں۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا سر دبا رہی تھیں۔ صمد بھائی انتہائی تشویش کے ساتھ بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"امی اسے پانی پلائیں۔" عائشہ پانی چمچ لے آئیں۔ آمنہ بیگم نے چمچ کی مدد سے پانی اس کے منہ میں ڈالا۔

سمن نے بے چینی سے سر پٹخا۔

"امی۔۔۔" وہ غنودگی میں بڑبڑائی۔

"سمن! میری بچی!" آمنہ بیگم نے اس کا چہرہ تھپتھپایا، جو بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک

اپ کے بعد اسے ڈرپ لگا دی۔

"ٹینشن کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔ ذہنی دباؤ ہے، ڈرپ سے فرق پڑے گا۔ یہ ہوش میں آئیں تو کچھ کھلا کر یہ اینٹی ڈیپریسنٹ اور یہ بخار کی دوائیں۔"

ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر صمد بھائی کی طرف بڑھایا۔ صمد بھائی ڈاکٹر کے ساتھ ہی باہر نکل گئے۔

"احمد کہاں ہے؟" عائشہ بھابھی کو خیال آیا تو انہوں نے آمنہ بیگم سے پوچھا۔

"پتہ نہیں، میں نے دو ایک آوازیں دی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ شاید کہیں چلا گیا ہے، میں دیکھتی ہوں۔"

عائشہ باہر چلی گئیں۔ ڈرپ قطرہ قطرہ اس کی رگوں میں اتر رہی تھی۔ سمن آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگی۔

"امی!" اس نے آنکھیں کھولتے ہی بے ساختہ پکارا۔

"خالہ کی جان! میں تمہارے پاس ہوں تمہاری خالہ امی۔" انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر پیار کیا۔ سمن نے آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر کنپٹیوں کی طرف گر رہے تھے۔

"سمن! کیا ہوا ہے؟" وہ بے طرح پریشان ہو کر اسے پکارنے لگیں، ساتھ ہی اس کے آنسو صاف کیے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ سسک پڑی۔

"سمن! مجھے بتاؤ، کچھ بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟" سمن نے لب کچلتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

"عائشہ سائرہ کو فون کرو۔" سمن کے طرز عمل نے آمنہ بیگم کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔

"جی اچھا۔۔۔" سائرہ کو فون کر کے وہ کچن میں چلی گئیں۔ بچوں کو ناشتہ کروا کر اسکول بھیجنا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے سمن یا آمنہ بیگم ناشتہ بناتی تھیں۔ سائرہ فون سنتے ہی چلی آئیں۔ صمد بھائی میڈیسن لے کر آ گئے تھے۔ سائرہ نے

ریڈ کا سلائس اور آدھا کپ دودھ زبردستی اسے پلا کر دوا دے دی۔ کچھ ہی دیر میں وہ دوا کے زیر اثر سو چکی تھی۔

"سمن گھر جانے کی ضد کر رہی ہے۔" آمنہ بیگم نے برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے اور کمبل سیدھا کر کے سمن پر دینے لگیں۔

"ہاں، کل میرے پاس بھی آئی تھی۔ بہت ڈپریسڈ لگ رہی تھی اور یہی ضد کر رہی تھی کہ گھر جانا ہے۔ سعدیہ کو گئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" آمنہ بیگم نے تشویش سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ سمن ذرا ٹھیک ہو جائے، تو اسے چھوڑ آتے ہیں۔ ساتھ ہی ہفتہ دس دن بعد کی تاریخ طے کر آئیں گے۔ ہمیں کون سا جہیز وغیرہ چاہیے، جو تیاری میں دیر لگے گی۔"

"لیکن احمد؟" آمنہ بیگم نے سوالیہ انداز میں بیٹی کو دیکھا۔

"احمد مان جائے گا۔ میں اسے دیکھوں تو، نہ جانے اس نے سمن سے کیا کہا ہے جو وہ ٹینشن لے کر بیمار پڑ گئی ہے۔" سائرہ خیال آنے پر اٹھ کر احمد کے کمرے میں چلی گئیں۔ وہ چیئر پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ سائرہ کو اس کا انداز غیر معمولی لگا۔

"احمد! سمن کی طبیعت خراب ہے۔ پچھلے تین دنوں سے وہ واپسی کے لیے ضد کر رہی ہے۔ کل میرے پاس

آئی، تو انتہائی ڈپریسڈ تھی۔ اسی ذہنی دباؤ کی وجہ سے بخار لیے پڑی ہے۔ تم نے اس سے کیا کہا تھا؟" احمد اپنے مزاج کے برعکس نگاہیں زمین میں گاڑے چپ بیٹھا تھا۔

"احمد! تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" احمد کا انداز انہیں حراساں کر رہا تھا۔

انہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"احمد! تم بولتے کیوں نہیں۔" انہوں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"آپ یہاں سے چلی جائیں پلیز۔" وہ بے ربط لہجے میں کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"احمد!"

"پلیز۔" وہ زور سے چلایا۔

"ہم ہفتہ دس دن میں سمن کی رخصتی چاہ رہے ہیں۔"

"اٹس ٹو لیٹ، پلیز گو آؤٹ۔" احمد کی برداشت جواب دے گئی۔

سائرہ کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔ انہوں نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"احمد!"

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سائرہ بے جان قدموں کو گھسیٹتی ہوئیں باہر آئیں۔ "اٹس ٹو لیٹ" ان کے کانوں میں بازگشت گونج رہی تھی۔

"اٹس ٹو لیٹ، اوہ مائی گاڈ!"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر صمد بھائی کے پاس چلی آئیں۔

"صمد بھائی آج آپ آفس نہ جائیں۔ ہم سمن کو چھوڑنے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی رخصتی کی تاریخ لے آئیں گے۔"

"سمن کو اس حالت میں چھوڑنے جائیں گے؟"

"نہیں، وہ پہلے سے بہتر ہے۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں خاور سے کہتی ہوں۔ وہ آج آفس نہ جائیں۔" انہوں نے شوہر کا نام لیا۔

"سائرہ ایک دو دن رکو، سمن کو ٹھیک ہو لینے دو پھر چلیں گے۔"

"آپ کو پتا ہے نا احمد کا۔ اس کا دماغ کسی بھی وقت الٹ سکتا ہے۔ ابھی تو وہ مان گیا ہے۔ اس کے انکار کرنے کے لیے دو دن بہت زیادہ ہیں۔" وہ کہتے ہوئے گیٹ پار کر گئیں۔

سہ پہر تک سمن کی حالت قدرے بہتر تھی۔ بخار کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن نقاہت کی وجہ سے اس کے لیے اٹھنا محال تھا۔ اس کے باوجود اس نے واپسی کے لیے رٹ لگا رکھی تھی۔

سائرہ، خاور، صمد اور عائشہ سمن کے ساتھ گئے۔ اور اسے چھوڑنے کے ساتھ پندرہ دن بعد کی ڈیٹ فکس کر آئے۔

"سمن بچے! جو کچھ ہوا، میں یہ نہیں کہتی کہ اسے بھول جاؤ۔ لیکن خود کو سنبھالو، اس سے پہلے کہ کوئی غلط بات سوچے۔ بیٹا! یہ بات صرف اپنے آپ تک رکھو۔ معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے کے لیے یہ ضروری ہے۔" وہ اس کی پشت تھپتھپانے لگیں۔

"معاشرے میں سر اٹھا کر چلنا؟ اور جو میں اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔" وہ ان کے ساتھ لگ کر سسک

اٹھی۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارا احمد کے ساتھ

جائز، شرعی، قانونی اور اخلاقی رشتہ ہے۔ ذہن پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔ یہ سب جائز ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ ہماری معاشرتی ہندوانہ رسمیں زندگی کو مشکل بنائے ہوئے ہیں۔"

"لیکن اس نے مجھے اس رشتے کے حوالے سے معتبر کرنے کے بجائے پامال کر ڈالا۔" اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ سائرہ کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"یہ سب کب ہوا؟" انہوں نے پست آواز میں پوچھا۔

"کل۔۔۔ کل رات!" سمن نے ہچکیوں کے درمیان انہیں بتایا۔ سائرہ سر جھکائے شرمندہ سی بیٹھی تھیں۔

"سمن! امی کو اس بات کا علم نہیں۔ تم خالہ کو بھی مت ہونے دینا، یہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم گلٹی فیل مت کرو۔ پلیز بی بریو۔" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے چلی گئیں۔ سمن کے لیے دہری اذیت تھی، وہ کسی کے سامنے کھل کر رو بھی نہیں سکتی تھی۔ سارا دن وہ بخار کی نقاہت لیے پڑی رہتی اور ساری رات تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا۔

دو تین دن میں اس نے بڑی کوشش کر کے خود کو سنبھال لیا تھا۔ سائرہ دن میں کئی بار فون کرتیں اور اسے حوصلہ دیتیں لیکن اس کا وجود ایک جامد چپ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ رنگت میں زردیاں گھل گئی تھیں اور آنکھوں میں ویرانی کی دھول اڑتی تھی۔

* * *

محض چند دنوں بعد سمن رخصت ہو کر دوبارہ اسی گھر میں آگئی۔ شادی کے دن صرف دنیاداری کے لیے وہ کس جبر کے ساتھ سجی سنوری تھی۔ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ جب اسے احمد کے پہلو میں لا کر بٹھایا گیا تو اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ ماؤف ہوتے ذہن کیساتھ خود پر جبر کرنے کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا۔

"احمد! میں تمہارے راستے کے کانٹے چننے نکلی تھی، تم نے میرے پاؤں لہولہان کر ڈالے۔" اس کے آنسو گود میں رکھے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"تم نے اپنے ہی حق پر ڈاکہ ڈالا۔ کیسا شب خون مارا۔" مسلسل رونے کی وجہ سے اس کا سر سن ہو رہا تھا۔ اس پر مستزاد اس کی نوکیلی سوچیں۔

پچھلے تمام دنوں کی ٹینشن اور ذہنی دباؤ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔

سلامی کی رسم کے وقت احمد کے ساتھ کوئی بیٹھا، تو وہ تھوڑا سا اس کی طرف کھسک آیا۔ سمن کا کندھا اس کے کندھے سے ٹکرایا تو اذیت کا احساس دوچند ہو گیا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

اس کا بے ساختہ گریز محسوس کر کے احمد کی حسیات جامد ہو گئیں۔ اس کے اندر پہلے ہی حشر بپا تھا۔

پہلے سے مشکل زندگی اب مزید ابنارمل ہو گئی تھی۔ رخصتی کے بعد اسے احمد کے کمرے میں لایا گیا، تو مارے وحشت کے اس کا برا حال ہو گیا۔ سمن کے جہیز کے لیے آمنہ بیگم نے منع کر دیا تھا۔ اس لیے فرنیچر بالکل سادہ تھا۔ کمرہ دلہنوں کے سجے سجائے کمروں کے برعکس بالکل سادہ تھا۔ سمن بیڈ پر بیٹھی تو اسے لگا جیسے بیڈ پر کانٹے اگ آئے ہوں، اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

سائرہ اس کی جذباتی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے کمرہ جلد ہی مہمان لڑکیوں اور عورتوں سے

خالی کروالیا۔

"سمن! یہ دودھ پی لو۔" انہوں نے نیم گرم دودھ میں تھوڑا سا شہد ملا کر اسے پلایا اور اس کے ٹھنڈے یخ ہاتھ سہلانے لگیں۔

"میں احمد کو بھیجتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اس سب ڈرامے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے تلخی سے کہا۔

سائرہ نظرانداز کرتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی سمن بیڈ سے اتر گئی۔ بیڈ کے نیچے سے بیگ گھسیٹ کر اس نے اپنا سادہ سا سوٹ نکالا۔ اور بھاری لباس سنبھالتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔ تمام زیورات اس نے نوچ نوچ کر اتارے اور کپڑے بدل کر منہ دھو کر باہر آگئی۔ احمد کمرے میں آچکا تھا اور بیڈ کے قریب چیئر پر بیٹھا تھا۔

سمن نے اس کی طرف دیکھے بغیر لہنگا وارڈروب میں رکھا اور زیوارت دراز میں ڈال دیے۔ احمد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید اس سب کی توقع تھی۔ یہ سب کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آئی اور خاموشی سے کمبل اوڑھ لیا۔

احمد نے دیکھا وہ چند دنوں میں نچڑ کر رہ گئی تھی۔ رنگت ہلدی کی طرح زرد تھی۔ پارلر میں ہونے والے فیشل، اسکن پالش وغیرہ کے باوجود چہرے کی ویرانی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"میں نے اس پر اعتماد اور ہنستی مسکراتی لڑکی کا چہرہ پتھریلا کر ڈالا ہے۔ اس کے مہربان رویوں کو سرد مہری میں

بدل ڈالا ہے۔ اس درد آشنا کو اجنبی بنا ڈالا، اس باوقار کو روند ڈالا، اس ایک ہم دم ہم نفس کو بھی اجنبی بنا ڈالا۔" وہ کمبل میں چھپے اس کے سراپے کو دیکھتے ہوئے سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔

بڑی دیر بعد وہ اٹھا اور چینج کرنے چلا گیا۔ سفید شلوار سوٹ پہن کر باتھ روم میں آیا اور وارڈروب کھول کر دراز میں سے کچھ نکالنے لگا۔

"سمن!" آہستگی سے پکارتے ہوئے اس نے سمن کے منہ سے کمبل ہٹایا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا اور آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ احمد کو اپنے قریب دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی۔

"یہ لو۔" احمد نے بہت دلکش سے کنگن اس کی طرف بڑھائے۔

"منہ دکھائی؟ کیا پہلی بار منہ دیکھ رہے ہو؟" سمن کا انداز طنزیہ اور لہجے میں بیگانگی تھی۔ احمد خاموشی سے کنگن دیکھ رہا تھا، سمن کی آنکھیں پھر سے برسنے لگیں۔

"سمن! میری ایک بات اسی تحمل کے ساتھ سنو۔ جو تمہاری ذات کا حصہ ہے۔"

"تھا۔" سمن نے اس کی تصیح کی۔

"شاید ایسا ہی ہے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ سمن خاموش رہی۔

"مجھے تمہارے رویے سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں شاید اس سے زیادہ ڈیزرو کرتا ہوں۔ جب انسان تقدیر کی ٹھوکروں پر ہوتا ہے تو زمانہ خود بخود دشمن ہو جاتا ہے۔ جب مہربان اور بڑے ظرف والا خدا آزمائے، تو پھر چھوٹے ظرف والے انسانوں سے کیا شکوہ۔ میں، میرا خاندان اس وقت آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ تقدیر کو یہ آسانی گوارا نہیں تھی کہ میرے پاؤں کے آبلوں کو کوئی نرم ہاتھوں میں سہلائے، تب ہی تمہیں نامہربان

کر ڈالا۔ میں اتنا نفس پرست ہرگز نہیں ہوں کہ اپنی ہی عزت کا امین نہ بن سکوں۔ لیکن تقدیر نے ایک اور مشکل میرے کھاتے میں ڈال دی۔

میں نے جرم نہیں کیا پھر بھی احساس جرم کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں۔ یہ مشکل صرف میرے لیے ہے سمن! تم کسی احساس کے زیر بار تو نہیں ہو۔ غاصب ہونے کا احساس صرف میرے لیے ہے۔ اپنی حلال اور جائز کمائی کو چوری کی طرح کھایا ہے۔ میرے بارے میں تم "بدگمان" ہو۔ جب "گمان" کرنے لگو، تو اس سب کو میری تقدیر سمجھ لینا۔ صرف ایک لمحے کے لیے۔ مدت ہوئی میں نے آسانیاں تلاش کرنا اور خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ تو تعبیر کی امید کیسی؟" اس نے سمن کے آنسو اپنی پوروں پر لے لیے۔

سمن بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

"اب دیکھو۔ یہ بوجھ بھی میرے لیے ہے کہ میں نے تمہاری مسکراہٹ آشنا آنکھوں کو رلا دیا ہے۔" اس کی آواز بھر آگئی۔

سمن نے خاموشی سے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ احمد نے چونکے بغیر کنگن اس کی کلائی میں پہنائے۔ سمن ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر سسک پڑی۔ احمد نے شکستگی سے اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

* * *

ابھی زندگی میں شاید آسانیوں کا واقعی گزر نہ تھا۔ تب ہی تو شادی کے کچھ دنوں بعد ہی عائشہ بھابھی کے تیور بدلنے لگے۔ پہلے پہل تو دلہناپا سمجھ کر اس کے لاڈ اٹھائے گئے۔ اس کے بعد اپنی گم سم کیفیت کی وجہ سے وہ

گھر میں دلچسپی نہیں لے پا رہی تھی۔اس کے بے جان وجود میں روح پھونکنے کا اسم صرف احمد کے پاس تھا۔
اور وہ اسے لا کر بے خبر ہو چکا تھا۔سائرہ باجی اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔لیکن اس کے اندر کے
سناٹے کم نہ ہو پاتے۔

احمد کی لاتعلقی اسے اندر ہی اندر گھلا رہی تھی جبکہ عورت ہونے کے ناطے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر وہ احمد کی
ہر زیادتی معاف کر چکی تھی۔صمد بھائی زیادہ تر گھر سے باہر رہتے تھے۔اس لیے گھریلو سیاست سے ناواقف
تھے۔پھر عائشہ بھابھی تین بچوں کی ماں بن کر شادی کے اتنے عرصے بعد اپنی پوزیشن بہت مضبوط کر چکی
تھیں۔طریقے سے صمد بھائی کو ماں اور بہن بھائی سے دور کر دیا تھا۔

ماں کی بیس سالہ بیوگی کو صمد بھائی نے جس حوصلے سے نبھایا تھا۔اور جس طرح آخر میں نتائج امیدوں کے
برعکس
نکلے تھے۔اس چیز نے ان کے مزاج کو ویسے ہی بدل ڈالا تھا۔بیس سال تک چھوٹے بہن بھائیوں کے گارڈین
بنے رہنے اور انہیں باپ کی شفقت دیتے ہوئے ان کی ہر ضرورت اور خواہش کو پورا کرتے ہوئے انہوں نے
چاروں بہن بھائیوں کو زمانے کے سرد و گرم سے بچایا تھا۔اس کے باوجود ستائش اور فرمانبرداری کے بجائے
صبا کے حوالے سے ذلت ہی ان کے حصے میں آئی تھی۔

ولید کی موت سے وہ بہت کمزور پڑ گئے تھے۔رہی سہی کسر احمد کی بغاوت نے پوری کر دی تھی۔عائشہ بھابھی
نے یہی سب کچھ جتا جتا کر انہیں بدل کر دیا تھا۔تب ہی انہوں نے احمد کو ذمہ دار بنانے کا جواز دے کر الگ
ہونے کا مشورہ دیا تھا۔احمد صبا کے چکر میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔گھر کیسے بنتے ہیں اور کیسے چلائے جاتے ہیں

، یہ سب اس کے لیے کبھی دردسری نہیں رہی تھی اور پھر اکیلی سمن کو لے کر وہ کہاں جاتا؟
اس کے موجودہ "حسن سلوک" کی وجہ سے آمنہ تو کبھی بھی اس کے ساتھ نہ جاتیں۔بہت سوچ بچار کے بعد
اس نے سائرہ باجی سے یہ معاملہ ڈسکس کیا۔

انہوں نے اسے باعزت طریقے سے الگ ہونے کا مشورہ دیا تھا۔اس سے پہلے کہ رشتوں میں مزید کشیدگی
آئے۔صمد بھائی نے اوپر یا نیچے کے پورشن میں شفٹ ہونے کا فیصلہ اس کی مرضی پر چھوڑا تھا۔لیکن احمد کا کہنا
تھا، جب الگ ہونا ہے تو پھر ساتھ ساتھ کیوں رہیں۔

صبا کے معاملے کو التوا میں ڈالتے ہوئے اس نے گھر سیٹ کرنا شروع کر دیا۔جاب ملتے ہی اس نے صمد بھائی کے
دباؤ اور سائرہ باجی کے مشورے سے ڈپارٹمنٹ کی طرف سے شروع ہونے والی ہاؤسنگ اسکیم میں فلیٹ بک
کروالیا تھا۔لیکن یہ اس وقت کی بات تھی۔جب ان کے خاندان کے اچھے دن تھے۔سمن کا جہیز نہیں آیا تھا۔
اب الگ ہونے کی صورت میں وہ خالہ سے جہیز کے لیے تو کہنے سے رہا۔اس نے آفس میں لون کے لیے اپلائی
کیا اور سائرہ باجی سے کچھ قرض لے کر گھر کے لیے بنیادی ضرورت کی چیزیں خرید ڈالیں۔

صمد بھائی کے کہنے کے بعد اس نے ایک مہینے میں بھاگ دوڑ کر کے گھر رہنے کے قابل بنا لیا تھا۔

اور پھر سمن کو پیکنگ کے لیے کہہ کر اس نے امی کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔لیکن انہوں نے توقع کے عین
مطابق انکار کر دیا۔وہ خاموشی سے پلٹ آیا۔اس نے ہر بدترین چیز کی توقع اپنے لیے رکھی ہوئی تھی۔تبھی
کوئی برا رویہ اس پر اثر انداز ہوتا بھی، تو وہ ظاہر نہ کرتا۔آمنہ بیگم سمن کو ہرگز اکیلے نہ بھیجتیں۔ویسے بھی سمن
کے بغیر یہاں رہنا اب ان کے لیے مشکل ہو چکا تھا۔انہوں نے احمد کو انکار اس موہوم امید پر کیا تھا کہ شاید وہ

www.Paksociety.com

ان سے اصرار کرے یا ان سے اپنے رویے کی معذرت کرے، لیکن وہ خاموشی سے چلا گیا تھا۔

سمن نے اس سے کہا کہ وہ ایک بار پھر ان سے بات کرے۔ مگر وہ بولا۔

"سمن! دنیا میں صرف ماں کا رشتہ بے غرض ہوتا ہے۔ لیکن یہ وقت۔۔۔ یہ وقت میرا نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

"ماں کا رشتہ جتنا بے غرض ہوتا ہے، اتنا ہی معزز بھی ہے۔ معتبر بھی ہے۔ انہیں اعتبار دلاؤ احمد! وہ تو تمہاری ہیں ہی۔ تم انہیں بتاؤ کہ تم بھی ان کے ہو۔" وہ خاموش تھا۔

"احمد! تم چپ کیوں ہو؟ کیا میری بات نہ ماننے کی تم نے قسم کھا رکھی ہے؟" سمن نے چلاتے ہوئے اسے جھنجھوڑا۔ وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"زہر لگتی ہے مجھے تمہاری یہ خود ساختہ مظلومیت۔" وہ چڑ گئی۔ "جن سے محبت ہو، انہیں صرف فاتح دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔"

احمد چونک گیا۔ اس نے پہلی بار اپنے اور احمد کے رشتے کے درمیان محبت کا ذکر کیا تھا۔

سمن اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خالہ امی کے کمرے میں لے آئی۔

"انہیں مناؤ۔ اس گھر سے ہم تینوں جائیں گے، سمجھے۔" احمد نے خاموشی سے آگے بڑھ کر امی کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"امی! مجھے معاف کر دیں۔"

"میں۔۔۔ احمد! میرے لعل!" انہوں نے تڑپ کر اسے اٹھایا۔

"معاف کر دیں نا۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"مائیں ناراض نہیں ہوتیں بیٹا! اگر مائیں بھی ناراض ہو جائیں، تو دعاؤں کا سایہ اٹھ جاتا ہے۔ میں ناراض نہیں ہوں۔"

احمد نے سر ان کی گود میں رکھا اور کب کے رکے آنسو بہہ نکلے۔ اپنے انتقام اور خود اذیتی کی آگ میں جلتے ہوئے اس نے اس رشتے کی ٹھنڈک خود سے دور کر لی تھی۔ آمنہ بیگم نم آنکھوں کے ساتھ اس کے بال سہلا رہی تھیں۔

* * *

نئے گھر میں شفٹنگ کے وقت سائرہ باجی چھوڑنے کے لیے ساتھ گئی تھیں۔

"میرا احمد گھر بار والا ہو گیا ہے۔" آمنہ بیگم نے جاتے ہی شکرانے کے نوافل پڑھے۔

احمد شرمندہ شرمندہ پھر رہا تھا۔ سمن پر آسائش زندگی چھوڑ کر اس کی زندگی میں آئی تھی۔ الیکٹرک کا سامان، کچن کا سامان اور بستر کارپٹ وغیرہ خریدنے کے بعد اس کے پاس اتنے پیسے نہیں بچے تھے کہ وہ اچھا سا بیڈ روم سیٹ خرید سکے۔ اس لیے کارپٹ پر میٹرس ڈالے ہوئے تھے۔ امی کے بیڈ روم میں آئرن راڈ کا نفیس سا سنگل بیڈ تھا۔ ساتھ ہی روم چیئرز اور کارنر ٹیبل، لاؤنج میں عارضی طور پر کین وڈ کا مناسب سا صوفہ تھا۔ کچن میں فل سائز فریج، مائیکرو ویو، جوسر، بلینڈر اور بہترین کراکری تھی۔ اس کے علاوہ واشنگ مشین، استری اور ایسی ہی دوسری چیزیں بھی ڈبوں میں بند پڑی تھیں۔

سائرہ باجی گھر دیکھتے ہوئے ہنس رہی تھیں۔

"اتنی مہنگی چیزیں لینے سے بہت تھا تم درمیانی چیزیں خریدتے تا کہ گھر مکمل سیٹ ہو جاتا۔"

"گھر سیٹ کرنا آسان نہیں۔ مجھے کاٹھ کباڑ سے گھر نہیں بھرنا۔ اس لیے تھوڑا انتظار کرلوں گا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"چلو بیڈروم کا فرنیچر تمہیں میں گفٹ کر دیتی ہوں۔ نئے گھر کی خوشی میں۔"

"اتنا بڑا گفٹ مجھے نہیں لینا، جو لاکھوں میں جا پہنچے۔"

"تو سستا لے لو۔"

"سستا لینا ہوتا تو اب تک آ چکا ہوتا۔ انتظار کریں اور دیکھیں۔ میں کھانا لے آیا ہوں۔ گرم کرلیں۔ کچن بعد میں سیٹ ہوتا رہے گا۔ کُکنگ رینج ورکنگ کنڈیشن میں ہے۔"

سمن بنڈ ڈبوں میں سے برتن اور دوسری چیزیں نکال نکال کر سیٹ کر رہی تھی۔ سائرہ باجی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد خاور لینے آ گئے۔ تھوڑی دیر رکنے اور نئے گھر کی مبارکباد دینے کے بعد وہ لوگ چلے گئے تھے۔ صمد بھائی اور عائشہ بھابھی نے بچوں سمیت کل گھر دیکھنے آنا تھا۔

* * *

نانا کرتے ہوئے بھی سمن نے خالہ امی کا بیڈروم اور لاؤنج سیٹ کر لیا تھا۔

ایک تو نئے گھر کی خوشی میں جوش و خروش تھا۔ دوسرے بے ترتیبی سے اسے الجھن ہوتی تھی۔ رات گئے وہ کمرے میں آئی تو احمد فلور بیڈ پر کمبل ٹانگوں پر ڈالے دیوار سے ٹیک لگائے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ سمن نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ اس کا انتظار نہیں کیا کرتا تھا۔ کمرے میں آتے ہی کروٹ کے بل سو جاتا۔ آج وہ

ابھی تک جاگ رہا تھا۔ سمن اپنی جگہ پر آ گئی۔

"کیسا لگا اپنا گھر؟" وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔

"بہت اچھا۔" سمن نے پوری سچائی سے جواب دیا۔

"اور یہ فرشی بستر۔"

"سب سے اچھا کیونکہ تم نے لیے ہیں میرے اور اپنے لیے، ہمارے لیے۔"

"گویا زندگی نئے انداز میں گزارنا مشکل نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" سمن بڑے دنوں بعد اسی اعتماد سے بات کر رہی تھی۔ جو اس کی ذات کا حصہ تھی۔

احمد نے نظر بھر کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اور اس کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔ سمن کو جسم میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی۔ شادی کے تقریباً تین ماہ بعد یہ پہلی پیش رفت تھی، جو احمد کی طرف سے ہوئی تھی۔

"اگر تھوڑا سا کمپرومائز کرنے سے زندگی تھوڑی آسان ہونے لگے تو حرج ہی کیا ہے۔" کہتے ہوئے اس نے سمن کو اپنے قریب کر لیا۔ لہجہ غیر جذباتی سا تھا۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کمپرومائز کے بعد محبت بھی اپنا لے گا۔ وہ محبت جسے یہ ترک کر چکا ہے۔"

سمن نے اعتماد کے ساتھ سوچتے ہوئے مطمئن ہو کر اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

* * *

"کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ تم میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے بجائے گھسٹ رہی ہو۔" گہری سوچ

میں گم احمد نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" چائے کا مگ اسے دینے کے بجائے وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہہ کر چائے اس کے ہاتھ سے لینا چاہی، سمن نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو احمد؟" سمن نے دو ٹوک انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں یار! مذاق کر رہا ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہمارے درمیان مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔" سمن کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں ہمارے درمیان مذاق کا نہیں "محبت" کا رشتہ ہے۔" احمد کا انداز طنزیہ تھا۔ سمن نے لب بھینچ کر تیکھی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"تو میں تمہارے ساتھ "گھسٹ" رہی ہوں؟" اس نے عجیب انداز میں سر ہلایا۔

"جس لیواٹ سمن!" احمد نے بے زاری سے سر جھٹک کر چائے کا مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ ناقابل فہم تاثرات چہرے پر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب۔۔۔" وہ اس کے یک ٹک دیکھنے پر بھنا اٹھا تھا۔ وہ اب بھی چپ چاپ اس پر نگاہ جمائے اسے کھوج رہی تھی۔

"مجھے چھوٹی چھوٹی باتیں بے یقین کر دیتی ہیں۔" احمد نے تھک کر سر کھڑکی کی چوکھٹ سے ٹکا دیا۔

"کون سی چھوٹی چھوٹی باتیں؟" سمن کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی بھرا گئی۔ احمد نے سنجیدگی سے اس کی طرف

دیکھا۔

"اک مدت ہو گئی ہے تمہیں میرے لیے چائے بناتے ہوئے۔ کبھی جو میرا ساتھ دینے کے لیے دوسرا کپ بنایا ہو، تم ہمیشہ مجھے فراموش کر جاتی ہو یا پھر نظرانداز کرتی ہو۔"

سمن بے ساختہ ہنس پڑی، ایک کاٹ دار ہنسی۔

"ہمارے ذہن نہیں ملتے سمن! بہت فرق ہے اور شاید بہت فاصلہ بھی۔" احمد نے اس کی تلخ ہنسی نظرانداز کر کے اپنی بات مکمل کی۔

"مجھے تم سے محبت کا دعواہے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو، تو تم یوں نہ سوچو کبھی شکوہ نہ کرو۔ کم از کم چائے کا ایک کپ بنانے پر تو قطعاً شکوہ نہ کرو۔"

"تم ریزن دو۔" احمد کا انداز چیلنجنگ تھا۔

"محبت دلیل سے ثابت نہیں ہوتی احمد! یہ عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ جیسے خدا کو دلیل سے نہیں۔ "دل" سے مانا جاتا ہے۔ تو میں دلیل سے اپنی محبت کیا ثابت کروں، جب عمل سے نہیں کر پائی۔"

"چلو دلیل نہ دو۔ لیکن اس ایک کپ چائے بنانے میں کیا فلاسفی کون سے عظیم لیلیٰ مجنوں کی محبت کا جذبہ کار فرما ہے۔"

احمد نے اس کی بات کو سرے سے اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ اس کی محبت کا وہ اول دن سے انکاری تھا۔ جھٹلانا اور مذاق اڑانا۔ وہ اس ریشم جیسے نرم اور صبح نو جیسے پاکیزہ اور خوبصورت جذبے سے دستبردار ہو چکا تھا۔

سمن چند لمحے بنا پلکیں جھپکائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"فلاسفی یہ ہے کہ اگر میرا تمہارے ساتھ ذہن ملتا ہوتا تو میں دو کپ ہی چائے بناتی۔ ایک کپ دودھ میں ایک کپ پانی ڈال کر لیکن میرا دل تمہارے دل سے ملتا ہے، اس لیے ایک کپ دودھ کی تمہیں چائے بنا دیتی ہوں۔ میرا دل جانتا ہے کہ تم پانی والی چائے نہیں پسند کرتے اور میرے دل نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ احمد نے کبھی چائے میرے ساتھ شئیر کیوں نہیں کی۔ چاہے ایک دو سپ ہی سہی۔ ہمارے ذہن واقعی بہت فاصلے پر ہیں احمد! اور تمہارا تو دل بھی بہت فاصلے پر ہے۔ میں اپنے حصے کا فاصلہ طے کر چکی۔ اب مجھے لگتا ہے تمہارے حصے کا فاصلہ بھی مجھے طے کرنا پڑے گا۔"

احمد ساکت کھڑا تھا۔ سمن کھڑکی سے باہر دھند میں نہ جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

"فرق تو ہو گیا نا؟" احمد نے بڑی بعد خود کو بولنے کے قابل پایا۔

"تم اپنے حصے کا مجھے دیتی ہو اور میرے گھر میں ایک کپ چائے بھی تمہارے لیے اضافی عیاشی ہے۔"

احمد نے مگ خالی کر کے اسے تھما دیا۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ سمن کے ساتھ اپنی چائے شیئر کرتا، چاہے ایک دو سپ ہی سہی۔ لیکن اس نے اگلے دن گوالے سے کہہ کر دودھ کی مقدار بڑھا دی۔

"احمد! تم ایک فضول سی بات پر ہمارا بجٹ خراب

کر رہے ہو۔" سمن اس سے الجھ پڑی۔

"میں جانتا ہوں تم بجٹ کو کس طرح سنبھالتی ہو۔ لیکن یہ سب کب تک چلے گا۔ کس کس ضرورت کو نظر انداز کرو گی۔" احمد نے صوفے پر بیٹھ کر میگزین کھول لیا۔

"تم ہر چیز کو نظریہ ضرورت سے ہی کیوں دیکھتے ہو۔"

"یہ سچ ہے، ہر تعلق ضرورت سے بندھا ہے۔" احمد نے سر میگزین سے نہیں اٹھایا، سمن نے بے بسی سے لب کچلے۔

"میری تمام ضروتیں پوری ہو رہی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔"

"یہ جو سوٹ تم نے پہنا ہوا ہے، کتنی بار دھل چکا ہے؟" احمد نے اس کی گھسی ہوئی قمیض کا دامن تھام لیا۔

سمن زچ ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔

"یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے تم سے کچھ چھپانا نہیں پڑتا۔ کچھ پردہ پوشی نہیں کرنی پڑتی ورنہ۔۔۔ بلکہ اپنی ہر حقیقت اور اصلیت تم سے کہہ سن کر اپنا غبار نکال لیتا ہوں۔ کتھارسس کر لیتا ہوں۔ ورنہ یہ سب اور بھی مشکل ہو جاتا۔"

احمد نے صوفے کی پشت پر سر ٹکا دیا۔ سمن کا جی چاہا، کاش احمد اس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنی تھکن اتارتا۔ صبا کی تلاش کے سلسلے میں وہ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ خرچ کر دیتا تھا۔ ایسے میں سمن انتہائی کم بجٹ میں کس طرح گھر چلاتی تھی۔ احمد کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا۔ لیکن سمن کا بھرپور تعاون اسے شرمندہ کرنے کے ساتھ ساتھ مطمئن بھی رکھتا۔ صمد بھائی نے جس طرح طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا تھا، احمد نے ابھی تک ان سے گھر اور باقی جائیداد میں سے حصہ نہیں مانگا تھا۔ سمن کبھی بھی اسے خود سے یہ بات نہ کہتی، اس لیے صمد بھائی اکیلے ہی فیض یاب ہو رہے تھے۔

"میرے تو ابھی جہیز اور بری کے کتنے ہی سوٹ غیر استعمال شدہ پڑے ہیں۔" سمن نے اس کے چہرے کے اتار چڑھا کو بغور دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہنا چاہا۔ احمد نے آنکھیں کھول کر سر اس کی طرف گھمایا۔

"اچھا۔ تو پھر پہنا کرو یہ کیوں پہن رکھے ہیں؟" احمد نے مدھم پڑتے ہوئے اورنج رنگ کی قمیص کو ایک بار پھر جھٹکا دیا۔ سوتی قمیص چرر کی آواز کے ساتھ پھٹ گئی۔ سمن نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا۔

"وہ جو بارات والے دن کا سنی لہنگا پہن رکھا تھا۔ وہ کچن میں کام کرتے ہوئے پہنا کرو اور ولیمہ والا جوڑا فرش پر کپڑا پھیرتے ہوئے۔ میرون ساڑھی جب واشنگ مشین لگاؤ تب اور گرے سوٹ رات کو سوتے وقت پہنا کرو۔" اس کی بری میں صرف آٹھ دس سوٹ تھے اور احمد کو انگلیوں پر یاد تھے۔

"اور ہاں وہ نکاح والا سوٹ۔ ویسے سمن تم نکاح کے روز بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔"

پنک اور سلور خوبصورت لہنگے میں سمن واقعی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

"میرا اس دن دل چاہا کہ تمہیں لے اڑوں لیکن اپنے اس سوٹ کا سلیپنگ سوٹ بنا لو، کچھ میرا بھی بھلا ہو جائے گا۔"

احمد کی آنکھیں رنگ بدلنے لگیں۔ سمن سرخ چہرہ لیے اٹھنے لگی تو احمد نے بازو سے کھینچ کر اسے اپنے اوپر گرا لیا۔ سمن نے سنبھل کر اسے زور دار دھکا دیا اور تن فن کرتی ہوئی کمرے میں جا گھسی۔ احمد دھیمے سے ہنس دیا تھا۔

* * *

گھڑی کی ٹک ٹک اور ارد گرد کا سناٹا ماحول کو وحشت ناک بنا رہا تھا۔ چھوٹے سے گھر میں ادھر سے ادھر گھومتے ہوئے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ پریشان کن سوچوں کی وجہ سے طبیعت پر بھی گھبراہٹ طاری تھی۔ جو گھڑی کی سوئیوں کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ صد شکر کہ خالہ امی بلڈ پریشر

کی دوا لے کر عشاء کے بعد سو چکی تھیں۔ اب تو تہجد کے لیے اٹھنے میں محض دو گھنٹے رہ گئے تھے۔ لیکن نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ شب بیداری اور پریشانی کی وجہ سے اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور تھک کر موبائل ہاتھ میں لے لیا۔ کوئی میسیج، کوئی مسڈ کال کچھ نہ تھا۔ وہ کتنی ہی بار اس کا نمبر ڈائل کر کے ڈس کنیکٹ کر چکی تھی۔ احمد کی سختی سے تاکید تھی کہ وہ گھر سے باہر ہو تو اسے کال نہ کرے۔ بوقت ضرورت وہ خود کال کر لیتا تھا۔ لیکن اب انتظار کی بے قراری حد سے سوا ہو چکی تھی۔ شدید بے چینی سے بے ساختہ اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

اس نے سختی سے گال رگڑے اور ایک بات پھر کلاک پر

نظر دوڑائی۔ ایک بج کر چھتیس منٹ ہو چکے تھے۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں فون اٹھایا اور اس کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر بزی جا رہا تھا۔ وہ اس وقت کسے کال کر رہا تھا۔ سمن نے موبائل صوفے پر پٹخ کر سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ آنسو اب بے قابو ہو چکے تھے۔ جب موبائل کی ہلکی سی بیپ سنائی دی۔ اس نے جھپٹ کر موبائل آن کیا اور کان سے لگا لیا۔

"سمن! دروازہ کھولو۔" احمد کی آواز سنتے ہی وہ دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ کھلنے کے بعد جونہی احمد اندر داخل ہوا۔ سمن اس کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ وہ اس اچانک رد عمل پر گھبرا سا گیا۔ اسے ساتھ لگائے اس نے پلٹ کر دروازہ لاک کیا۔ سمن یونہی رو رہی تھی۔

"ریلیکس سمن! امی اٹھ جائیں گی۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور اسے سہارا دے کر کمرے میں آ گیا۔

"بس کرو سمن!" اسے بیڈ پر بٹھا کر احمد نے اس کے آنسو پونچھے۔

"میں مر جاؤں گی احمد! دیکھنا کسی دن یونہی۔" اس کا گلا رو رو کر بیٹھ گیا تھا۔ احمد تفکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ چہرے پر سوچ کی لکیریں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر تم یونہی کال کرتے رہ جاؤ گے، لیکن میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" اس کے گالوں پر پھر آنسو بکھر گئے، احمد نے اس کا سر کندھے سے لگا لیا۔

"میرا دل بند ہو جائے گا اور پھر تمہیں پتا چلے گا۔" وہ بالکل بکھر چکی تھی۔ "تم جو کھو گئے ہیں، ان کے لیے روتے ہو، تم مزید کھونے سے کیوں نہیں ڈرتے، تمہیں ہماری کوئی پرواہ نہیں۔"

"سمن! حوصلہ کرو، کیا ہو گیا ہے۔" احمد نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، تم دیکھنا، تم شام چار بجے سے لے کر ڈیڑھ بجے تک گنو، کتنے گھنٹے بنتے ہیں اور ان سارے گھنٹوں میں کتنے منٹ ہیں اور ان منٹوں میں کتنے سیکنڈ، میرا دل رک رک کر دھڑکتا ہے اور اسی طرح کوئی نامہربان پل آئے گا، جب میرا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔"

اس کے ہاتھ ٹھنڈے اور سن ہو چکے تھے، اور آنکھیں سوجی ہوئی۔ احمد نے اس کی بات پر دہل کر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"بس کرو سمن! خدا کے لیے اسٹاپ اٹ، فار گاڈ سیک۔" وہ وحشت زدہ ہو کر چلایا۔ سمن نے آنسو بھری آنکھیں جھپک کر اس کا چہرہ دیکھا، وہ بے حد تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"اٹھ کر چینج کر لو۔ میں کھانا لاتی ہوں۔" بھوک نہ ہونے کے باوجود اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے اچھی

طرح پتا تھا کہ سمن نے اس کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا ہو گا۔ بستر پر گر کر بے خبر ہو جانے کی خواہش کو دل میں دباتا ہوا وہ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا، منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلا تو سمن ٹرے میٹرس پر رکھ چکی تھی، اس کے بیٹھنے پر وہ پلٹ گئی۔

"کھانا کھا لو۔" احمد نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں کھا چکی ہوں، تم کھاؤ۔" وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔ بے تاثر انداز میں کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی، چائے لے کر وہ واپس آئی تو احمد ابھی تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔

"کھا کیوں نہیں رہے؟" وہ جھنجلا گئی۔

"میرا ساتھ دو۔" احمد نے پلیٹ میں سالن نکالا اور روٹی توڑ کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

سمن آنسو پیتے ہوئے نوالے حلق سے اتارنے لگی۔

چند نوالے لے کر اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ احمد نے روٹیاں دستر خوان میں لپیٹیں اور نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے چائے پینے لگا۔ سمن برتن کچن میں رکھ کر واپس آئی تو اس نے آدھا مگ اسے دے دیا اور میٹرس پر لیٹ گیا، سمن کے حلق میں پھر آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا۔ اس نے مگ ایک طرف رکھ کر لائٹ آف کر دی۔

"اف۔ اس قدر ناراضی!" احمد اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ اپنی جگہ پر لیٹی تو احمد نے بازو پھیلا کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

"سو جاؤ، مجھے نیند آ رہی ہے۔" سمن نے کروٹ بدلنا چاہی۔

"ایسے ہی ٹھیک ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ سمن کے گال پر رکھا اور ہونٹ اس کے بالوں پر۔

سمن نے ہونٹ بھینچ کر سسکی روکی۔ "تمہاری ذراسی توجہ کے لیے مجھے یونہی خوار ہوناپڑے گا۔" آنکھیں بند کر کے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی، جبکہ احمد اس کی کہی باتوں کی بازگشت ابھی تک محسوس کر رہا تھا۔

"احمد! خالہ امی کہہ رہی ہیں کہ میں ڈاکٹر سے چیک اپ کراؤں۔" احمد کے کپڑے استری کرتے ہوئے اس نے ہچکچاتے ہوئے احمد سے کہا۔

"کیوں تمہیں کیا ہوا؟" وہ صوفے پر بیٹھا ہوا فائلز دیکھ رہا تھا، اس کی بات سن کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کچھ نہیں۔ خالہ امی کہہ رہی تھیں کہ ہماری شادی کو ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اور ابھی تک۔۔" اس نے جھجک کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ کسی گائناکالوجسٹ سے مشورہ۔۔۔" سمن نے استری بند کر دی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔" احمد کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"احمد ڈیڑھ سال کا عرصہ کافی ہوتا ہے۔" سمن نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔

"سمن مجھے بچے نہیں چاہئیں، یہ بات ذہن میں بٹھالو، اور آئندہ میں تمہارے منہ سے یہ بات نہ سنوں۔" وہ درشت لہجے میں کہتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا، سمن ہکا بکا اس کا جارحانہ انداز دیکھتی رہ گئی۔

"احمد نے کسی ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے یا نہیں۔" خالہ جان رات کے کھانے کے لیے سبزی کاٹ رہی تھیں۔ سمن پاس بیٹھی ان کی قمیص کی ترپائی کر رہی تھی، جب انہوں نے پھر وہی بات کی. سمن خاموش رہی۔

"وہ اپنی ہی مصروفیات میں گم ہے۔ اگر اس کے پاس ٹائم نہیں تو تم سائرہ کو فون کرو، اس کے ساتھ چلی

جانا۔" وہ اس کی خاموشی پر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"خالہ جان! احمد کہہ رہا تھا وہ کسی ڈاکٹر سے بات کرے گا، ویسے بھی ابھی اس سب کی کیا ضرورت ہے۔" سمن نے دانستہ لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

"ضرورت کیوں نہیں۔ ہم دو اکیلی جانیں سارا دن ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہتے ہیں۔ بچوں سے گھر میں رونق ہو جائے گی، سو طرح کی مصروفیت، دل بہلانے کا سامان ہو گا۔"

سمن مسکرا دی۔ "تو آپ کو مصروفیت چاہیے؟"

"ہاں تو کیا تمہیں نہیں چاہیے۔" سمن نے اذیت سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"خالہ امی، احمد کسی آفیشل کورس کے سلسلے میں شارجہ جا رہا ہے۔ وہ اسی سلسلے میں مصروف ہے۔ واپس آئے گا تو پھر اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔" سمن نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

"ہیں! کب باہر جا رہا ہے؟" وہ چونک گئیں۔ سبزی کی ٹوکری ایک طرف رکھ کر نئی فکر میں مبتلا ہو گئیں۔

"پتا نہیں۔ ابھی اس نے کچھ کنفرم نہیں بتایا۔ ابھی ویزہ، پاسپورٹ وغیرہ کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا ہے، کل اس نے سرسری ساذکر کیا تھا۔"

"آتا ہے تو میں پوچھتی ہوں، اس کے جانے سے پہلے اللہ کوئی امید باندھ دے تو کتنا اچھا ہو۔" وہ ہتھیلی پر سرسوں جما رہی تھیں۔ سمن نے سر جھٹک کر قمیص تہہ کر کے رکھی اور سبزی اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

اگلا ڈیڑھ مہینہ احمد اپنے جانے کے انتظامات میں لگا رہا۔ وقت پلک جھپکتے ہوئے گزر گیا تھا۔ اور پھر اسی افرا تفری میں وہ شارجہ روانہ ہو گیا۔

* * * *

احمد شارجہ سے واپس آیا تو سمن کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سمن بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ رنگت میں زردیاں گھلی ہوئی تھیں اور وزن کافی کم ہو گیا تھا۔ احمد شارجہ میں چار ماہ گزار کر مزید ہینڈسم ہو گیا تھا۔ اس کی رنگت پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھی۔ اچھی غذا اور ماحول نے بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ سمن اس کے سامنے مرجھائی ہوئی کلی لگتی تھی۔

احمد اس کو دیکھ کر بہت متفکر ہو گیا تھا۔ سائرہ باجی، صمد بھائی سے ملنے، آفس میں رپورٹ کرنے اور سیالکوٹ کا چکر لگانے کے بعد فراغت ملتے ہی وہ سمن کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

"آپ کی وائف کو بی پی کا مسئلہ ہے، اس لیے انہیں ڈپریشن سے بچائیں۔ اگر بی پی شوٹ کر گیا تو مس کیرج بھی ہو سکتا ہے۔ جوان کی ویکنیس کی وجہ سے بہت خطرناک ہے۔ خوراک پر بھرپور توجہ دیں اور انہیں خوش رکھیں۔ اس کے علاوہ یہ سپلی منٹس بھی دیں۔"

ڈاکٹر نے روانی سے ہدایات دیتے ہوئے نسخہ ان کے سامنے رکھا۔ احمد نے پریشانی اور حیرت میں گھر کر سمن کا

زرد چہرہ دیکھا اور فیس ادا کر کے باہر آ گیا۔

واپسی کا راستہ طویل خاموشی کے ساتھ گزرا تھا۔ سمن کو احمد کے ناقابل فہم تاثرات اور گمبھیر خاموشی ہولا رہی تھی۔

وہ لاتعلقی اور خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے گھر ڈراپ کر کے وہ باہر ہی سے پلٹ گیا۔

سمن بے دلی سے معمول کے کام نپٹاتی رہی۔ اسے احمد کے عجیب وغریب ردعمل سے الجھن محسوس ہو رہی

تھی۔

احمد کی گھر واپسی، اسی خاموشی سے کھانا کھانا اور کمرے میں چلے جانا، سمن کو کچھ غیر معمولی ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

عشا کی نماز کے بعد خالہ امی کو میڈیسن دینے کے بعد جب وہ کمرے میں آئی تو احمد لائٹ آف کیے پڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹ کر معمول کے وظائف پڑھنے لگی۔

"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟" احمد کی سرد آواز نے اس کا تسلسل توڑا۔

"کون سا سلسلہ؟" اس نے تاریکی میں احمد کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"ڈاکٹر کیا کہہ رہا تھا؟" اس کی آواز میں اشتعال در آیا۔ سمن خاموش رہی۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا، کب سے پریگننسی ہے؟"

تمہارے باہر جانے کے بعد پتا چلا تھا۔"

"اور مجھے واپس آئے ہوئے بھی پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ میں وہاں سے بھی فون کرتا تھا، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"بس۔۔۔۔ وقت نہیں ملا۔" سمن کی آواز پست تھی۔

"وقت، وقت۔۔۔۔ تین لفظی جملہ بولنے کے لیے تمہیں کتنا وقت چاہیے تھا، کتنے دن، ہفتے، کتنے مہینے اور سال۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔" وہ انگارے برسا رہا تھا، سمن کا دل ڈوب گیا۔

"احمد! وہ۔۔۔۔۔" اس کی آواز لڑکھڑائی۔

"میں اس جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتا، اس سے پیچھا چھڑاؤ۔"

چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے لائٹ آن کر دی۔ سمن گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

"تم کسی اچھی گائناکالوجسٹ سے بات کرو، اور۔۔۔۔ ختم کرو یہ سب۔" سمن حیرت سے کھلی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"احمد! ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ ابارشن خطرناک ہے۔ اس کے باوجود؟"

"لیکن مجھے بیٹی نہیں چاہیے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے احمد! بیٹی ہو یا بیٹا، کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ چلا اٹھی۔ "اگر بیٹی ہو گی تو تمہارے جیسے شقی القلب کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو گی۔ اگر بیٹا ہوا تو میرے جیسی کسی عورت کو ذلیل کرے گا۔ فرق تو کرنے اور ہونے کا ہے۔ بیٹے یا بیٹی کا نہیں۔ میں بھی ان چاہی ہوں۔ بوجھ کی طرح تم پر مسلط ہوئی ہوں۔ میری اولاد بھی ان چاہی ہو گی۔ میری طرح، اور تمہیں بیٹی نہیں چاہیے، ہونہہ! تمہیں تو سمن بھی نہیں چاہیے تھی۔ ایک بوجھ اٹھا رہے ہو، تو دوسرا بھی سہی، اور اگر نہیں اٹھا سکتے تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ جہاں تک تمہیں بتانے کا تعلق ہے تو کب ہمارے درمیان مثالی تعلقات رہے ہیں۔ جو میں اپنی خوشی تمہارے ساتھ شیئر کر پاتی۔ فون پر نہ سہی پندرہ دن تمہیں واپس آئے تو ہو گئے ہیں۔ کب فرصت سے میرے پاس بیٹھے تھے کہ میں تم سے کچھ شیئر کر پاتی۔"

سمن کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ وہ تکیے پر گر کر بری طرح ہانپنے لگی، احمد خاموشی سے اسے دیکھ رہا

تھا۔

خالہ جان کے اصرار پر سمن نے احمد سے بات کی تاکہ کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کروا سکے۔ لیکن احمد نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ سمن نے پھر دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔ احمد کے شارجہ جانے کے بعد اسے اپنے اندر آنے والی تبدیلی کا ادراک ہوا تھا۔ اس نے باقاعدہ چیک اپ کروایا تو ڈاکٹر نے اس کے شک کی تصدیق کی تھی۔

سمن بے انتہا خوش ہونے کے باوجود یہ بات احمد کے کٹھور رویے کی وجہ سے اس سے شیئر نہ کر پائی۔ اسے احمد کے متوقع ردعمل کا خوف تھا۔ اور وہی ہوا تھا، جس کے ڈر سے اس کی سانسیں رکی ہوئی تھیں۔

"لیکن اب بس، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔" سمن نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے تکیہ سیدھا کیا اور بازو منہ پر رکھ کر لیٹ گئی۔

* * * *

موسم کی خرابی کی وجہ سے آج وہ سر شام ہی گھر آ گیا تھا۔

ہاتھ میں سمن کی میڈیسن اور فروٹ کے شاپر تھے۔ اس نے اپنا موڈ خوشگوار بنانے کی دانستہ کوشش کی۔ یہ کوشش سمن کی وجہ سے تھی۔ کل رات چیخنے چلانے کے بعد وہ صبح ناشتہ بنانے اور اسے آفس بھیجنے تک بالکل خاموش رہی تھی۔ کافی دیر ڈور بیل بجانے کے ساتھ ساتھ اس نے دروازے پر دستک دی، کچھ دیر انتظار کے

بعد آمنہ بیگم نے دروازہ کھولا۔

"میں نماز پڑھ رہی تھی اس لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی۔" انہوں نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور دروازہ بند کرنے لگیں۔

"سمن کہاں ہے؟" احمد نے شاپر میز پر رکھ کر پوچھا۔

"میں تمہارے لیے پانی لاتی ہوں۔" امی اس کا سوال گول کر کے پلٹ گئیں۔ وہ کمرے میں چلا گیا، سمن کمرے میں نہ تھی۔

"امی سمن کہاں ہے؟" احمد نے پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"سمن سیالکوٹ چلی گئی ہے۔"

"کس کے ساتھ، اور مجھے بتائے بغیر؟" اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"اس کی طبیعت اتنی خراب تھی، آپ نے اسے کیسے جانے دیا۔" اس کا مزاج برہم ہونے لگا۔

"سمن کے ابو اسے لینے آئے تھے۔ اس نے غالباً انہیں فون کیا تھا، صبح ہی صبح آ گئے تھے۔ میں نے کافی اصرار کیا کہ کل تک ٹھہر جائیں۔ لیکن وہ کچھ جلدی میں تھے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر چلے گئے۔"

احمد ماتھے پر شکنیں لیے ان کی بات سن رہا تھا۔

"لیکن سمن نے تمہیں کیوں نہیں بتایا، کیا تم دونوں کا کوئی جھگڑا ہوا ہے، سمن نے مجھ سے تو کسی ایسی بات کا ذکر نہیں کیا۔"

"کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ آپ کی چہیتی ہے نا، اس لیے سر پر چڑھا رکھا ہے آپ نے۔ اجازت لینا تو درکنار اس

نے بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔" وہ وہیں بیٹھ کر سمن کا موبائل نمبر ملانے لگا۔

"السلام علیکم!" اس نے بڑی کوشش کے بعد اپنا لہجہ معتدل رکھا۔

"اپنی پیکنگ مت کھولنا۔ میں صبح تمہیں لینے آ رہا ہوں۔" اس نے سمن کے سلام کے جواب میں بلا تمہید دو ٹوک انداز میں کہا۔ سمن اس کی ہٹ دھرمی پر کھول کر رہ گئی۔

"ابھی تو میں پہنچی ہوں، کچھ دن رہ لوں پھر آ جاؤں گی۔"

"میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ صبح تیار رہنا۔ میں خالہ کے گھر میں کوئی سین کری ایٹ نہیں کرنا چاہوں گا۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"احمد خدا کے لیے۔ میں تبدیلی آب و ہوا کے لیے، چند دنوں کے لیے آئی ہوں۔ آ جاؤں گی واپس۔"

"تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہ ضروری ہے کہ بتائے بغیر منہ اٹھا کے چل پڑتیں۔"

سمن نے لب بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے روکا۔ اگر کچھ کہتی تو وہ ہتھے سے اکھڑ جاتا۔

"احمد! میں بہت ڈپریسڈ ہوں، پلیز۔ مجھے کچھ دن یہاں رہنے دو۔" اس کے لہجے میں بے بسی گھل گئی، احمد ایک دم دھیما پڑ گیا۔

"ڈاکٹر نے جو نسخہ دیا تھا وہ بھی یہاں چھوڑ گئی ہو، میں دوائیاں لے آیا تھا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تم فون پر مجھے لکھوا دینا، میں یہاں سے لے لوں گی۔"

"تم مجھے بتا کر تو جاتیں۔" احمد نے شکوہ کیا۔ سمن نے اپنے احساسات سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کے اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

* * * *

نارنجی، فالسی اور فیروزی بادلوں کی لہریں آپس میں گڈ مڈ ہو کر ڈوبتے سورج کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ آسمان بہت رنگین اور دلکش لگ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے بادل کی لہریں اس رسم الوداع میں سبقت لینے کے چکر میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو پڑی ہوں۔ پھر ذہن میں آتے ان آوارہ خیالوں پر وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

"کیا ابھی میری حس لطیف زندہ ہے۔ یعنی ابھی مجھ میں امنگیں زندہ ہیں۔" اس کی بے ساختہ ہنسی اسے تاسف اور خود ترسی میں دھکیل گئی۔

آہستہ آہستہ اترتے اندھیرے میں گرد و پیش پہ چھایا ہوا سناٹا سردی کے ساتھ ساتھ اداسی بھی لا رہا تھا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی، گھنٹوں چھت پر بیٹھی ارد گرد دیکھتی اپنی سوچوں میں الجھی رہتی۔

امی اس کی حالت کی وجہ سے اسے اپنے موڈ کے مطابق وقت گزارنے دیتیں۔ ان کے خیال میں اس حالت میں عورتوں کے مزاج میں کئی طرح کی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اگر انہیں یہ پتا چل جاتا کہ یہ خاموشی، یہ اداسی اس کی ذات کی سہیلی بن چکی ہے تو شاید۔۔۔۔۔ اس نے گہری سانس لے کر پھر افق کی طرف دیکھا۔

سورج ڈوب چکا تھا۔ بادلوں کا رنگ فالسی سے گہرا سرمئی اور نارنجی سے گہرے گلابی میں بدل چکا تھا۔

جیسے سورج کو الوداع کر کے اداسی کے رنگ اوڑھ لیے ہوں۔ یہ وداع کرنا بھی کیسا جوکھوں کا کام ہے۔ ملن کی

طرح جدائی میں بھی سرور اور خوشی کیوں نہیں ہوتی؟

آنے کی طرح جانا بھی سرشاری کیوں نہیں دیتا؟

یہ جدائی اتنی کربناک کیوں ہوتی ہے؟

یہ وداع کرنا اتنا کٹھن کیوں ہے، جیسے کانٹوں پر گھسٹنا؟

"اور احمد، وہ بھی تو اس جدائی میں ایک "آہ" میں ڈھل گیا ہے۔ جیسے کانٹوں کی جھاڑی سے الجھا ہوا، اور جھاڑی سے خود کو چھڑانے میں ہر کانٹے میں اپنے ماس (گوشت) کے ریشے اٹک رہے ہوں۔ ایسا ہی کٹھن سفر اسے در پیش ہے، پھر میں کیوں ناامید ہو جاتی ہوں۔" اس نے احمد کے دکھ میں ڈوب کر خود کو تسلی دی۔

ایک ہی حادثہ مختلف لوگوں پر مختلف انداز میں اثر انداز ہوا تھا۔ ہر ایک کا زاویہ نگاہ بدل گیا تھا۔ کوئی کرب آشنا تھا، تو کسی کو مسیحائی کا ہنر ملا تھا۔ یہ زندگی ایک ہی وقت میں کیسے محروم بھی کرتی ہے اور عطا بھی۔ چاہے محرومی عطا سے بڑی، بہت بڑی کیوں نہ ہو۔

سوچ سوچ کر اس کی کنپٹیوں میں درد ٹھوکریں مارنے لگا۔ وہ زبردستی خود کو لے کر نیچے آ گئی۔ ایمن اور فہد کی باتیں شاید اسے بہلا پائیں، شاید ولید کے خیال سے کچھ دیر کے لیے ہی دامن چھڑا پائے۔

****۔

کافی دیر تائی اماں اور فہد کے ساتھ گزار کر وہ واپس گھر آئی تو اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا، سستی اور بے زاری

غائب ہو چکی تھی۔

"سمن ! احمد کا فون آیا تھا۔ دو، تین بار رنگ کر چکا ہے وہ۔ تم اسے کال بیک کر لو۔" سمن کو اپنے اندر کے تمام رنگ اڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ تازگی، خوشگواریت، زندہ دلی، اسے اپنا آپ خالی ہوتا محسوس ہوا۔ وہ اتنی تیزی سے بدلتی ہوئی اپنی کیفیت پر خود بھی ششدر رہ گئی۔

"تو کیا میرے دل کی دھڑکنیں اب احمد کے نام پر منتشر نہیں ہوتیں؟" وہ حیران تھی۔

احمد تو پہلے ہی پیچھے ہٹ چکا ہے۔ کیا میں بھی؟"

اس نے دل کا حال بتانا چھوڑ دیا

ہم نے بھی گہرائی میں جانا چھوڑ دیا

اس کو ہی جب دوری کا احساس نہیں

ہم نے بھی احساس دلانا چھوڑ دیا

وہ موبائل ہاتھ میں لیے سن بیٹھی اپنے احساسات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سیل پر ایک بار پھر احمد کی کال آ رہی تھی۔ اس نے آن کر کے کان سے لگایا۔

"اتنی دیر سے کال کر رہا ہوں، کہاں تھیں؟" دعا سلام کے بعد وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر سمن اور بھی بے تاثر ہو گئی۔

"میں تایا ابو کے گھر گئی ہوئی تھی۔"

"طبیعت کیسی ہے؟"

"اب ٹھیک ہوں۔" وہ مشینی انداز میں جواب دے رہی تھی۔

"میرا حال نہیں پوچھو گی؟" احمد کو اس کی کم گوئی الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"پوچھنے لگی تھی، کیسے ہو؟ خالہ امی کیسی ہیں؟" اس نے ایک ہی سانس میں کام نمٹایا۔

"ٹھیک ہوں۔ لو امی سے بات کر لو۔" احمد کو اس کی بے نیازی چونکنے پر مجبور کر رہی تھی۔ جب سے وہ سیالکوٹ گئی تھی، اس نے ایک بار بھی احمد کو فون نہیں کیا تھا۔ اگر وہ خود کال کرتا، تو اس انداز میں بات کرتی کہ احمد کو یہ سوچنے کی ضرورت پڑ جاتی کہ مزید کیا کہے۔ امی نے سمن سے بات کر کے فون اسے دیا تو اس نے الوداعی کلمات کہہ کر بند کر دیا۔

* * *

"سمن تم واپس کب جا رہی ہو؟" سعدیہ نے بہت سوچ بچار کے بعد اس سے بات کرنے کی ٹھانی۔ سمن کو آئے تقریباً پندرہ، بیس دن ہو گئے تھے۔ اس کی صحت گرتی جا رہی تھی، اور خاموشی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی کھوئی کھوئی کیفیت انہیں تفکرات میں مبتلا کیے رکھتی۔

سمن کی اسی سرد مہری کی وجہ سے احمد اسے واپسی کے لیے کہنے سے کترا رہا تھا۔ ساتھ ہی احمد کو اپنی سرد مہری کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے سمن کے حوصلے پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اس کے بدترین رویے کے باوجود بھی پیچھے نہیں ہٹی تھی، لیکن اب۔۔۔۔ اب کیا ہوا تھا۔ وہ اسی الجھن کا ناکام سرا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"امی! احمد اس اتوار کو لینے آرہے ہیں۔" سمن نے صاف جھوٹ بول کر انہیں مطمئن کیا۔

"ٹھیک ہے تم میرے ساتھ مارکیٹ چلو۔ اپنے لیے کچھ شاپنگ کر لینا۔ موسم بدل رہا ہے۔"

"میرے پاس پہلے ہی بہت سارے کپڑے ہیں، اس سب کی ضرورت نہیں۔"

"پھر بھی اتنے دنوں بعد جا رہی ہو، کچھ تو لینا ہی ہے۔"

"تو جب سے آئی ہوں۔ آپ نے پانچ سوٹ بنا کر دیے ہیں۔ ایمن بھی دو جوڑے لائی تھی کافی ہیں۔"

سعدیہ نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ گنتی کے چند گھسے ہوئے سوٹ انہیں اس کی حالت کا خود پتا دے رہے تھے، لیکن جب بیٹی نے خودداری کا بھرم رکھا تھا۔ تو وہ کیوں اس کا بھرم توڑتیں۔

"تم خود میرے ساتھ چل رہی ہو یا پھر میں ایمن کو ساتھ لے جاؤں؟"

سمن نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھ کر سر جھٹکا۔

اس کی مسلسل خاموشی سے اکتا کر وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

سمن اپنی ہی فکر میں تھی۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ اتوار آنے میں صرف ایک دن تھا۔ کیا احمد پرسوں اسے لینے آجائے گا، وہ اتنا اچھا تو نہیں تھا کہ اس کے منہ سے نکلی بات پوری کرتا۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں۔ شاید آجائے۔ نہیں، میں خالہ امی سے بات کرتی ہوں، وہ خود ہی احمد کو بھیج دیں گی۔" کافی دیر کشمکش کے بعد بالآخر اس نے فیصلہ کن انداز میں گھر کا نمبر ملایا۔

****۔

احمد ہفتے کی شام سیالکوٹ پہنچ گیا تھا۔ سب لوگوں سے ملنے کے بعد وہ چائے پی چکا تھا، لیکن سمن ابھی تک اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔

"ایمن! جاؤ۔ سمن کو دیکھو۔ وہ نہا رہی تھی۔ اگر نہا چکی ہو تو اسے بتاؤ کہ احمد آیا ہے۔" ایمن کو بھیج کر وہ خود بھی اٹھ گئیں۔

"میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں۔" وہ احمد سے معذرت کر کے خود بھی چلی گئیں۔

داماد کے لیے کھانے پر اہتمام تو کرنا ہی تھا۔ سمن گیلے بالوں کو سلجھا رہی تھی۔ ایمن اسے احمد کا بتا کر امی کے پاس کچن میں چلی گئی۔ سمن نے بالوں کو کیچر لگایا اور دوپٹہ کندھوں پر پھیلا کر لاؤنج میں چلی آئی۔ احمد اسے دیکھ کر بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے پہلے سے بہت کمزور اور مضمحل لگی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ چلتا ہوا اس کے قریب آگیا۔

"ٹھیک ہوں، تم سناؤ۔" سمن نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود صوفے پر بیٹھ گئی۔ احمد بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنے دنوں کے بعد اس کے سامنے آئی تھی۔ لیکن کسی بے قراری، کسی ملن کے رنگ کے بغیر۔

"میں خود بھی تو ایسا ہی ہوں۔ اب اگر وہ بھی ایسی بن رہی ہے تو کیا ہوا۔" وہ خود کو سرزنش کرتا ہوا اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ سمن اپنے ناخنوں کو گھور رہی تھی۔

"خالہ امی کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی تھیں۔ اس لیے میں صمد بھائی کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ اب تم جاؤ گی، تو

واپس لے آؤں گا۔" وہ اس کے چہرے کو مسلسل نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

"اتنے دنوں تک کھانے، پینے اور باقی کاموں کا کیا ہوا؟" سمن کو فکر لاحق ہوئی۔

"بس وقت گزر ہی گیا۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"صبح کس وقت تک تیار ہو جاؤ گی؟" احمد نے بات بدلی۔

"میں تیار ہوں۔ ناشتے کے بعد چلیں گے۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ مجھے کل شام کسی کام سے جانا ہے۔" سمن خاموش رہی، اس نے کام کی نوعیت نہیں پوچھی۔ احمد کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"میڈیسن لے رہی ہو؟"

"ہاں!"

"اس کے باوجود اتنی ویکنیس۔" سمن نے جواب نہیں دیا۔ احمد بڑی توجہ سے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کچھ بھی اخذ کرنے میں ناکام رہا۔

سمن کے ابو اور فہد ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ دونوں احمد کے پاس بیٹھے تو سمن چپکے سے باہر نکل گئی۔

* * * *

"سمن تیار رہنا۔ میں نے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہوا ہے تمہارے چیک اپ کے لیے، میں ٹھیک تین بجے آ جاؤں گا۔" آفس جانے سے پہلے اس نے سمن سے کہا۔ "اور یہ رپورٹس سنبھال کر رکھو۔ کل ڈاکٹر کو چیک کروانا ہیں۔" سمن نے اس کے ہاتھ سے فائل لے لی۔

"سمن یہاں آؤ۔" احمد بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سمن کو اس کی نگاہوں سے الجھن ہوئی۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنا دوپٹہ مزید پھیلا کر اوڑھا، احمد اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روک نہ سکا۔

"ادھر آؤ۔" مسکراہٹ کا تاثر اس کی آواز میں بھی تھا۔

"آتی ہوں۔ خالہ امی کو کپڑے دے لوں۔ وہ نہانے جا رہی ہیں۔" سمن کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔ احمد تکیہ ہاتھ میں لیے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

"اتنی دیر لگا دی؟"

"پانی ابل گیا تھا۔ اس لیے میں چاول ڈالنے لگی۔ اب دم پہ رکھ آئی ہوں۔" وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"کتنا ٹائم گزر گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" اس نے ناسمجھی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا۔ احمد کو سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح پوچھے۔

"میں تمہاری پریگنینسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں تو کیا ہوا؟" وہ ہونق بنی اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں پوچھ رہا ہوں ڈیوریشن کیا ہے، کتنا عرصہ گزر گیا ہے؟"

"ایک ڈیڑھ ماہ رہ گیا ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"الٹرا ساؤنڈ کروایا ہے؟"

"کیوں؟" سمن نے سر اٹھایا۔

"ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔" وہ نگاہیں چرا گیا۔ سمن کو اپنا دل کسی گہری تاریک کھائی میں گرتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ احمد کے پچھلے دنوں نارمل رویے سے بہت ساری خوش فہمیاں پال بیٹھی تھی۔ لیکن بات وہیں تھی۔

"احمد اگر بیٹی ہوئی تو کیا تم اسے مار ڈالو گے؟"

"سمن! تم ہوش میں تو ہو؟" احمد نے اس کے کندھے کو جھٹکا دیا۔

"تو اور کیا کہوں۔ میرا بچہ میرے اندر سانس لے رہا ہے۔ وہ زندہ ہے، اگر ابارشن ہوا تو کیا وہ نہیں مرے گا۔ نہ صرف مرے گا بلکہ اسے تو۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"تم بات کو غلط رخ دے رہی ہو۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"کیا تم زمانہ جاہلیت کے عربوں کا طرز عمل نہیں اپنا رہے ہو۔ تو کیا اس طرح تم اپنی نام نہاد عزت کو بچا پاؤ گے؟" احمد لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"عزت اور ذلت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اگر اللہ کو تمہاری آزمائش مطلوب ہوئی تو وہ صرف بیٹی کے ذریعے نہیں، بیوی کے ذریعے بھی آزما سکتا ہے۔ کیا عورت شادی کے بعد گمراہ نہیں ہو سکتی۔ کس کس کو مارو گے ایک صبا سمجھ کر۔ اپنی بھتیجیوں کو۔ کیا وہ تمہاری عزت نہیں ہیں؟ اپنی بھانجیوں کو۔ کیا وہ تمہاری عزت نہیں ہیں؟ کیا بیٹے آزمائش نہیں بن سکتے؟ تمہاری پارسائی کیا ہوئی؟ تم نے بھی تو

رخصتی سے پہلے۔۔۔" وہ بری طرح روتے ہوئے چلا رہی تھی۔

"وہ شرعی نقطہ نظر سے جائز عمل تھا۔" احمد اس کی بات پر تڑپ کر بول اٹھا۔

"ہاں۔ لیکن معاشرتی مروجہ اصولوں کے برعکس تھا، اور شرع کی بات مت کرو۔ تم نے تب شرع نافذ نہیں کی تھی بلکہ نفس کی بات مانی تھی۔" سمن اپنے اندر جمع سارا لاوا اگل دینے کے درپے تھی۔ "اور شرع۔۔۔۔ صبا نے خلاف شرع اقدام نہیں کیا، نہ ہی غیر قانونی۔ اسے مذہب اور قانون دونوں پروٹیکشن دیتے ہیں۔ صرف معاشرہ اور اس کی اقدار۔۔۔۔ جن کے نام پر تم مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہو۔"

"خاموش ہو جاؤ۔ امی آ رہی ہیں۔" احمد نے لہو رنگ آنکھیں اس پر جما کر آہستہ آواز میں اسے تنبیہ کی۔

سمن نے بیڈ پر گر کر تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

"کیا ہوا سمن کو۔ اس طرح کیوں پڑی ہے۔ کچن میں چاول جل گئے ہیں۔ سارے گھر میں بو پھیل گئی ہے۔ تم لوگوں کو پتا نہیں چلا۔"

"سمن کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ مجھے بھی اس نے نہیں بتایا کہ چولہے پر چاول رکھے ہوئے ہیں۔" احمد نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر جواب دیا۔ اس کے اندر بلا کی توڑ پھوڑ مچی ہوئی تھی۔

"اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔" وہ ان سنی کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ آمنہ بیگم فکر مندی سے سمن کی طرف بڑھیں۔

"سمن اٹھو۔ کیا بات ہے؟" انہوں نے سمن کو سیدھا کرنے کی کوشش کی۔

"سمن۔۔۔۔ سمن!" کوئی رد عمل نہ پا کر انہوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا۔

بی پی خطرناک حد تک لو ہو جانے کی وجہ سے وہ نیم بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر ان کی جان نکلنے لگی۔

"سمن! ہوش کرو بچی!" وہ اس کے ہاتھ سہلانے لگیں۔ پھر انہوں نے زبردستی سمن کو اٹھا کر پانی پلانے کی کوشش کی۔ ایک گھونٹ لے کر سمن بے جان انداز میں تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ انہوں نے جلدی سے احمد کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل مسلسل جا رہی تھی۔ لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ دو، تین بار اس کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد وہ باہر کی طرف بڑھیں۔

ہمسائیوں کے آدمی کو ٹیکسی لینے بھیج کر وہ خود دوبارہ سمن کے پاس آ گئیں۔ وہ اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اس کا جسم ٹھنڈا اور رنگت خطرناک حد تک زرد ہو گئی تھی۔ خالہ امی نے اس کے اوپر کمبل اوڑھا کر ایک بار پھر احمد کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف کوئی رسپانس نہ تھا۔ انہوں نے فوراً سائرہ کا نمبر ملایا۔ اسے سمن کی طبیعت کے بارے میں بتا کر احمد کو میسج دینے کے لیے کہا۔

"امی میں آ رہی ہوں۔ آپ سمن کو لے کر ڈاکٹر عمرانہ کے کلینک آ جائیں۔ میں احمد سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" ٹیکسی کے آتے ہی آمنہ بیگم اسے لے کر اسپتال پہنچ گئیں۔ ڈاکٹر نے سمن کو ایڈمٹ کر کے ڈرپ لگا دی۔ بی پی لو ہونے کی وجہ سے اس کی حالت تشویش ناک تھی۔

بچے کو آکسیجن نہیں مل رہی تھی۔ ڈاکٹر نے آپریشن کے لیے کہہ دیا تھا۔ پری میچور ڈلیوری کے ذریعے شاید بچے کو بچا لیا جاتا۔ احمد ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ سائرہ اسے کتنی ہی بار کال کر چکی تھیں۔ اس نے اپنا موبائل آف کر رکھا تھا۔ سائرہ نے فون کر کے خاور کو اسپتال بلا لیا۔ اور پیپر سائن کر کے ڈاکٹر کو دے دیا۔

"سائرہ سیالکوٹ فون کر کے اطلاع دے دو۔ صمد کو بھی بتا دو۔" آمنہ بیگم کوریڈور میں بے چین ادھر ادھر ہو رہی تھیں۔

تین گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر نے ماں اور بچے دونوں کے بچنے کی خبر دی تو آمنہ بیگم نے آنسوؤں میں ڈوبا چہرہ سجدے سے اٹھایا۔ صمد بھائی اسپتال پہنچ چکے تھے۔ احمد ان کے آنے کے کچھ دیر بعد اسپتال پہنچ گیا تھا۔

"سمن کہاں ہے؟" اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"جہاں تم چاہتے تھے؟" سائرہ نے دھیمی اور سرد آواز میں جواب دیتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

"باجی! خدا کے لیے مجھے بتائیں، سمن کیسی ہے؟" وہ ملتجی انداز میں ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"میرے سامنے سے ہٹ جاؤ احمد! ورنہ میں اپنا ضبط کھو بیٹھوں گی۔ یہ سمن کی ہمت ہے جو تم جیسے وحشی کے ساتھ وقت گزار رہی ہے۔" وہ موقع کی نزاکت دیکھے بغیر برس پڑیں۔ احمد نم آنکھوں کے ساتھ ساکت سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ بھی۔۔۔۔۔۔تو آخر آپ بھی۔" اس کی آنکھوں میں شکوہ مچل رہا تھا۔

"کیوں اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہو۔ اگر سمن کو کچھ ہو گیا تو، کہاں تھے اتنی دیر سے؟" وہ اس کے کندھے پر سر رکھے سسک اٹھیں۔

وہ کہاں ہے؟"

"آئی سی یو میں، آپریشن ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی وہ اسٹیبل کنڈیشن میں نہیں ہے۔ پری میچور ڈلیوری اور

کمزوری کی وجہ سے وہ ہوش میں نہیں آ رہی۔" انہوں نے بھاری آواز میں خود پر ضبط کرتے ہوئے بتایا۔

"کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔" اس کی بے قراری حد سے سوا تھی۔

"ڈاکٹر سے پوچھ لو۔" احمد تیزی سے آئی سی یو کی طرف چلا گیا۔ سمن کو ڈرپس لگی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ بے حد پیلا، بالکل ساکت اور آنکھیں بند تھیں۔ ڈرپ میں سے قطرہ قطرہ زندگی اس کے اندر منتقل ہو رہی تھی۔

* * *

وہ ساری رات خالی الذہن بنا پلک جھپکے ایک ہی زاویے میں بیٹھے گزر گئی تھی۔ سمن کو چار بجے کے قریب دوبارہ ہوش آیا۔ احمد لپک کر اس کے پاس گیا تھا۔ سمن نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو کنپٹیوں پر بہہ نکلے۔ احمد بالکل خاموش اس کے پاس کھڑا تھا۔ کوئی حرف تسلی یا حرف دعا، کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔

"آپ پلیز باہر چلیں۔ یہ مزید ڈپریسڈ ہو رہی ہیں۔ یہ ان کے لیے ٹھیک نہیں، ہم کچھ دیر میں انہیں روم میں شفٹ کر دیں گے۔" ڈاکٹر نے اسے وہاں سے ہٹنے کے لیے کہا۔

وہ شاک زدہ حالت میں باہر آ گیا۔

"کیا میں سمن کے لیے زندگی کی نوید نہیں رہا۔ اور وہ تو محبت کا دعوی کرتی تھی۔"

"تھی۔" اس کی سوچ ٹھٹک کر رکی، ہاں شاید تھی۔

"تو کیا محبت بھی ماضی بن جاتی ہے۔ یا پھر میں نے ہی اس کی محبت کو ماضی بنا ڈالا۔ ولید کے بعد یہی تو ہے جس

نے سمیٹا اور خود کو لہولہان کر بیٹھی۔ اب یہ بھی مجھے تنہا چھوڑ دے گی؟" جذباتی کشمکش کی وجہ سے اس کی حالت دگرگوں ہو چکی تھی۔

"یہ سب ایسا کیوں کرتے ہیں۔ پہلے دل کی دھڑکنوں میں یوں جذب ہو جاتے ہیں کہ دل انہیں سوچ کر دھڑکتا ہے، اور جب دونوں دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جائیں تو ایک اپنی دھڑکن ہی چرا لیتا ہے۔ چاہے دوسرا دل نیم جان ہی کیوں نہ ہو جائے۔

پہلے ولید نے اپنی دھڑکنیں الگ کیں اور میں رک رک کر سانس لیتا رہا۔ ایک لمحہ زندگی کی طرف اور دوسرا موت کی طرف کھینچتا تھا۔ اب میرے ادھورے دل نے سمن کی دھڑکن مستعار لینی چاہی، تو وہ فاصلے بڑھانے پر مصر ہے۔ یہ کون سی کشش ہے، جس نے ہمیں ایک مخصوص فاصلے پر باندھ رکھا ہے۔ نہ فاصلہ بڑھتا ہے، نہ گھٹتا ہے۔"

"اوہ میرے خدا!" اس نے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

"اور وہ کہتی ہے کہ صبا کو قانون اور مذہب پروٹیکٹ کرتا ہے۔ تو پھر ولید کی موت، اس کا خون کس کی گردن پر جائے گا؟ اگر سمن کو کچھ ہو گیا، تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟

سمن تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں جو چلے گئے ہیں ان کو روتا ہوں، جو موجود ہیں ان کی قدر نہیں کرتا۔"

صبح صادق کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اس نے اپنے نڈھال وجود کو گھسیٹا اور وضو کرنے چل دیا۔ (جان لو، دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔)

* * * *

سمن اسپتال سے گھر آ چکی تھی۔ سائرہ باجی ابھی اس کے پاس ہی تھیں۔

سائرہ باجی کی دلجوئی، خالہ امی کی شفقت اور معصوم گڑیا جیسی حمرہ کی مصروفیت بھی اس کی ذات پر چھائے ہوئے جمود کو توڑنے میں ناکام تھے۔ حمرہ کو سائرہ باجی سنبھال رہی تھیں۔ سائرہ باجی پندرہ دن سے اس کے پاس تھیں، گھر کی مصروفیات کو نظرانداز کر کے وہ اس سے زیادہ نہیں رک سکتی تھیں۔

سمن نے شکست خوردہ سپاہی کی طرح اپنی بچی کھچی قوت جمع کی اور زندگی کے معمولات کے لیے خود کو گھسیٹنے لگی۔ حمرہ تین ماہ کی ہو چکی تھی۔ لیکن سمن کے لبوں پر لگی چپ کی مہر ابھی بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ سنہری مائل گلابی رنگت، زرد اور سانولی ہو چکی تھی۔ اس کا نرم و نازک سراپا گھل گھل کر ختم ہو رہا تھا۔ اور آنکھوں میں ٹھہری درد بھری کیفیت میں، کچھ عرصہ پہلے والی زندہ دل اور بھرپور سمن کا عکس بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا تھا۔ احمد اس ساری صورتحال پر قابو پانے میں بری طرح ناکام رہا تھا۔ یا شاید وہ خود بھی خود اذیتی کا شکار تھا۔

* * * *

ایک نئی امید ولولے کے ساتھ وہ گھر آیا تھا۔

سمن حمرہ کے کپڑے تبدیل کر رہی تھی۔

"حمرہ کو مجھے دو اور اچھی سی چائے بنا دو۔" احمد اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔ سمن نے میکانکی انداز میں حمرہ کو اس کی طرف بڑھایا اور خود اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگی۔ احمد نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا ہے؟" سمن کا انداز بے تاثر تھا۔ احمد نے چند لمحے اس کا بے رنگ چہرہ دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ کو لبوں سے چھو کر چھوڑ دیا۔ وہ حمرہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ یہ دیکھے بنا کہ سمن کا بے رنگ چہرہ ایک لمحے کے لیے رنگ بدل گیا تھا۔

"تم چائے نہیں پیو گی؟" اسے ایک کپ لاتے ہوئے دیکھ کر احمد نے دانستہ ٹوکا۔

"نہیں مجھے چائے پینے سے جلن ہوتی ہے۔"

"اب نہیں ہو گی۔ ایک سپ لو۔" احمد نے کپ اس کے لبوں سے لگایا۔ سمن نے ایک سپ لے لیا۔ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ احمد کی آنکھوں کے رنگ یکسر بدلے ہوئے تھے۔ وہاں پوری توجہ اور طلب نظر آ رہی تھی۔ تین، چار ماہ سے ان کے درمیان حائل اجنبیت کی یہ دیوار اب ٹوٹ رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اسے سائڈ ٹیبل سے خالی کپ اٹھاتے دیکھ کر احمد نے روکا۔

"میں کچن میں ہوں۔ آپ جا کر خالہ امی کو لے آئیں۔"

"میں نے فون کیا تھا، وہ ایک، دو دن سائرہ باجی کے گھر رہیں گی۔ اس لیے سنڈے کو لے آؤں گا، بلکہ ہم تینوں چلیں گے۔ صمد بھائی کی فیملی سے بھی مل آئیں گے۔"

احمد نے کپ اس کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ سوئی ہوئی حمرہ کے

بال سنوار رہا تھا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" احمد نے آنکھیں موند کر سر اس کی گود میں رکھ دیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور پلکیں لرز رہی تھیں۔

"آج میں نے صبا کو دیکھا، ملگجے کپڑوں میں۔ پاؤں میں اسفنج کی چپل پہنے وہ بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ وہ کچی بستی کے ایک کمرے کے خستہ حال مکان میں رہ رہی ہے، کتنی لاڈلی بہن تھی ہماری، کتنے خواب دیکھے تھے اس کی خوشی کے لیے۔ وہ ایک دن خاموشی سے ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ ولید کو اس سے کتنی محبت تھی۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے لیے نہیں سوچا۔ میں اسے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ نفرت کا اظہار بھی نہیں۔" وہ بری طرح سسک رہا تھا، سمن کا دل کٹنے لگا۔

"احمد! پلیز بی بریو۔" وہ بے قراری سے اس کے ایک ایک نقش کو چھو رہی تھی۔ احمد کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"احمد! پانی پیو۔" سمن نے ایک ہاتھ سے اس کا سر اونچا کیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ احمد نے بمشکل دو گھونٹ حلق میں اتارے۔ سمن اس کے یخ ٹھنڈے ہاتھ سہلا رہی تھی۔

"یہ ہاتھ دیکھے ہیں، ان ہاتھوں میں وہ زندگی سے بھرپور وجود مٹی کی رح بکھرا تھا۔ یہ آنکھیں دیکھی ہیں۔ ان آنکھوں نے زندگی کو موت ہوتے دیکھا ہے اور بصارتیں تب ہی کی منجمد ہو چکی ہیں۔ اب کوئی حسین منظر، کوئی دلکش چہرہ، کچھ بھی ان بصارتوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ یہ سماعتیں، میری سماعتوں نے اس کے دھڑکتے دل کو رکتے سنا۔ اس کی چلتی ہوئی سانسوں کی گم ہوتی آواز۔۔۔۔ میری سماعتوں میں تب سے پگھلا سیسہ ڈل

چکا۔ کوئی خوشی بھرا جملہ، کوئی مرتعش دھڑکن، کچھ بھی۔ یہ سماعتیں سن نہیں پاتیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں زندگی رخصت کی ہے۔ اور تب ہی مر گیا تھا میں۔ مرا ہوا آدمی کیسے کسی کے ساتھ جی سکتا ہے، میں مر چکا ہوں۔ تم سن لو۔ میں مر چکا ہوں۔" لہولہو آنکھیں، دل فگار لفظ۔ وہ اس کے کندھے سے سر ٹکائے اپنے اندر جمع دکھ کا لاوا آنکھوں کے رستے بہا رہا تھا۔ اور اس کا کندھا اس جلتے ہوئے لاوے کی تپش سے سلگ رہا تھا۔ کوئی حرف تسلی، کوئی امید بھرا لمس، کوئی سچی دعا، سب کچھ دامن چھڑائے نہ جانے کہاں جا چھپے تھے۔ وہ بے بسی کی انتہا پر کھڑی اس ریزہ ریزہ وجود کو دیکھ رہی تھی، مگر سمیٹنے سے قاصر تھی۔

"اور اب تم، تم بھی۔۔۔ کیا صرف میں ہی زندگی کو موت کے گلے ملتے دیکھنے کے لیے رہ گیا ہوں۔ یہ صرف میرے لیے ہے۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں پہ دم توڑ رہے تھے۔ اس کا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔ مگر وہ اپنے اندر اتنی ہمت نہ پاتی تھی کہ کوئی دلاسا اسے دے پاتی۔ وہ خود سن ہوئی جا رہی تھی، دل جیسے پھٹنے کو تھا۔

"جب۔۔۔۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ۔۔۔۔ وہ

He was just going اس کے پاؤں میں وہی شوز تھے، جو میں نے صبح اس کے لیے پالش کیے تھے۔ وہ شوز ویسے ہی چمک رہے تھے۔ اور ان جوتوں میں قید اس کے پاؤں، جن پاؤں پر چل کر وہ آفس گیا تھا۔ وہی پاؤں بے جان ہو کر بیڈ سے نیچے لٹک رہے تھے، اور۔۔۔۔ اس کی گھڑی جو وہ ہر روز آفس سے آکر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا کرتا تھا۔ وہ گھڑی اس کی کلائی پر بندھی ہوئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چل رہی تھیں۔ مگر وہ نبضیں رک چکی تھیں۔ نبض کے اوپر ہی تو گھڑی بندھی تھی۔ ایک چل رہی تھی۔ دوسری رک چکی تھی۔

اس کے بال ویسے ہی سلیقے سے جمے ہوئے تھے، جیسے ابھی ابھی برش کیے ہوں۔ مجھے، مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے وہ میرے سامنے پڑا ہو۔ یہاں میرے سامنے اور ابھی اٹھ کر بیٹھ جائے گا۔"

اس نے اچانک اس کے کندھے سے سر اٹھایا۔ اور پھر خالی بیڈ دیکھ کر اپنے بال ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

"یہی خیال ہر لمحے میرے ساتھ رہتا ہے۔ جیسے وہ ابھی آفس سے واپس آئے گا۔ یا پھر جیسے وہ چائے کا کپ تھامے

کچن سے آجائے گا۔ موبائل کان سے لگائے، لو یار امی سے بات کر لو۔ یا پھر لاؤنج میں کسی خبر پر کسی ٹاک شو پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے آواز دے گا۔

ہر وقت مجھے یہی خیالات آتے رہتے ہیں۔ میں خود کو ہر بار نئے سرے سے یقین دلاتا ہوں کہ وہ نہیں ہے، وہ نہیں آئے گا، مگر۔۔۔۔۔ اور ہر بار یہ یقین دلانا مجھے اذیت دیتا ہے۔ اتنی ہی اذیت، جتنی اسے مرتے ہوئے دیکھ کر مجھے ملی تھی، ہر بار اتنی ہی اذیت ملتی ہے۔"

وہ اپنے گھٹنوں پر سر ٹکائے زار و قطار رو رہا تھا۔ اور وہ لب بستہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے اپنے گال بھی گیلے ہو رہے تھے۔ "کیا تمہیں وہ یاد نہیں آتا۔ تم بھی تو یہاں رہتی تھیں۔ تم سے بھی تو وہ کتنا پیار کرتا تھا۔ کتنی باتیں، کتنے مان، کتنی شرارتیں، وہ سب تمہیں یاد نہیں آتا۔ پتا ہے تمہارے ہاتھ کی چائے وہ کتنی بار پیتا تھا۔ تمہارے بالوں کو کھینچتا تھا، تو تم کتنا جھگڑتی تھیں اس بات پر۔" وہ سر اٹھا کر پھر اسی ٹوٹے بکھرے بے ترتیب لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ اسے چپ کروانے کی بجائے خود بلند آواز میں رو رہی تھی۔ وہ ایسا کب تھا کہ بھول پاتا۔ "پتا ہے جان بوجھ کر بہانے سے کہتا تھا میرا سر دباؤ۔ تم بہت اچھا دباتی ہو، بہت نرمی سے، بہت پیار سے،

تمہارا میاں بہت لکی ہوگا۔ تم اس کا سر دبایا کرو گی۔ اب۔ اب جب بھی میرے سر میں درد ہو، اس کے یہی جملے یاد آتے ہیں۔ تمہیں گلہ ہوگا۔ میری بے رخی کا، میری لاپروائی کا۔ لیکن جب مجھے یہ بات یاد آتی ہے کہ وہ صبا کی وجہ سے گیا، صبا اس کی موت کا سبب بنی، مجھے اپنے چاروں طرف الاؤ دہکتے محسوس ہوئے ہیں۔ اس تپش سے میری ہڈیاں چٹخنے لگتی ہیں۔"

وہ ایک بار پھر اس کی گود میں سر رکھے سسک رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے اس کے بال سہلانا شروع کیے۔ وہ بالکل خاموش سسک رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں دم توڑ گئیں۔ اس کی ہموار سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ سو چکا ہے۔ چہرے پر بے خبر سی معصومیت اوڑھے وہ سو چکا تھا۔

اپنے اندر ابلتے لاوے کو باہر کا رستہ دے کر وہ اک عرصے بعد یوں پر سکون ہو کر سویا تھا۔ اک عرصے بعد سمن کے اندر کے مہیب سناٹے کم ہوئے تھے۔ چاہے آہوں اور سسکیوں کی آواز سے ہی سہی۔ اس نے سر تکیے پر رکھا اور اس کے قریب لیٹتے ہوئے پلکیں موند لیں۔

"گھر کب تک آرہے ہو، ٹائم دیکھا ہے، کیا ہو گیا ہے۔ خالہ امی کتنی دیر سے مجھے کہہ رہی ہیں کہ اس کو فون کر کے پتا کرو۔ حمدہ بھی تنگ رہی ہے۔" اس کے کال ریسیو کرتے ہی وہ بے تکان بولتی چلی گئی۔

"ہاں سن رہی ہوں۔ تم تھکتے نہیں ہو بہانے بناتے ہوئے۔" وہ جھنجلائی۔ "ٹھہرو میں ذرا دروازہ کھول آؤں۔ پتا نہیں کون آیا ہے۔"

وہ اسے ہولڈ کروا کر بیرونی دروازے کی طرف گئی۔ آنے والا بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول چکا تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ سامنے کھڑے احمد کو دیکھ کر وہ بے ساختہ زور سے ہنس پڑی۔

"اتنے اچھے استقبال کا شکریہ۔" وہ بے خودی میں آگے بڑھا اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"احمد! خالہ امی!" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"آہ۔۔۔۔امی اور خالہ امی۔۔۔ ظالم سماج۔۔۔" اس نے سمن کے سرخ چہرے کو دلچسپی سے دیکھا۔

"بکومت۔" وہ جھینپ کر آگے بڑھی۔

"اتنی دیر کیوں کر دی آج؟"

"میرٹ لسٹ لگنی تھی، وہی دیکھنے چلا گیا۔"

"کون سی میرٹ لسٹ؟" سمن نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایم فل کے لیے اپلائی کیا تھا۔"

"اب ایم فل کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"پروموشن لینی ہے، اپنی فیلڈ میں بہت سا کام کرنا ہے تاکہ میرے بچوں کو میرے بعد میٹرس پر نہ سونا پڑے، نہ ہی لون لے کر شادی کے اخراجات پورے کرنے پڑیں۔"

"اگر کوئی اچھی بات کہتے ہو تو اسے صرف اچھا رہنے دیا کرو۔" اس نے خفگی سے ڈانٹا۔

"احمد! وہ۔۔۔صبا۔۔۔۔" سمن نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ سمن نے کن اکھیوں سے ٹیرس پر کھڑی آمنہ بیگم کو دیکھا۔

"میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا۔ (حضرت علی) میرے ارادوں کو تمہاری محبت نے کمزور کر دیا تھا۔ اب میں کچھ اور کھونے سے ڈرتا ہوں۔"

آہستگی سے بڑبڑا کر اس نے حمدہ کو گود میں لیا اور چینج کرنے کے لیے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ختم شد